حضرت ابوبکر صدیق رضؓ

ازقلم: عبدالرحیم کشمیری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاہلیت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جن مقدس ہستیوں کے ذریعہ دنیا میں دینِ اسلام کی روشنی پھیلائی گئی، وہ صحابۂ کرامؓ کی مقدس جماعت ہے، یہی وہ حضرات ہیں جنہیں دنیا ہی میں "رضی اللہ عنھم ورضوا عنه" کا مژدہ سنایا گیا، یہی وہ پاکیزہ نفوس ہیں جنہیں براہِ راست مشکاۃِ نبوت کے انوارات سے اپنے دلوں کو منور کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، جس کی برکت سے یہ راہِ ہدایت کے روشن ستارے ٹھہرے؛ اور زبانِ رسالت سے "رہبر ورہنما" قرار پائے؛ لیکن ان میں سے بعض خصوصی فضیلت کے حامل ہیں جو کہ "عشرۂ مبشرہ" کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں، جنھیں دنیا میں ہی اخروی کامیابی کی بشارت دی گئی، جن کی مثال اپنے ساتھیوں میں ایسی ہے جیسے کہ آسمانی ستاروں میں کہکشاں، اور اسی کہکشاں کا ایک روشن ستارہ ۔ جو انبیا کے بعد پوری انسانیت میں افضل قرار دیا گیا ۔ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ذاتِ اقدس ہے ۔

بابِ اول

حیات وخدمات

پیدائش: آپؓ کی پیدائش نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے دوسال چند مہینے کے بعد ہوئی اور آپؓ نے اپنی عمرِ عزیز کے تریسٹھ سال پائے ۔
(تاریخ الخلفاء للسیوطی: ۲۸)

نام: زمانۂ جاہلیت میں آپ کا نام ''عبد الکعبہ'' تھا جسے آپ کے والد نے کعبہ کی حرمت کے پیشِ نظر رکھا تھا، اسلام لانے کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کا نام عبداللہ تجویز فرمایا۔

(الریاض النضرۃ ۱/ ۷۷ بحوالہ ازالۃ الضیق بسیرۃ سیدنا ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ: ۴۸)

لقب: کتبِ تاریخ میں آپ کے پانچ القاب مذکور ہیں: ① عتیق ② صدیق ③ صاحب ④ اَوّاہ ⑤ اتقیٰ۔ (الخلیفۃ الاول ابوبکر الصدیق: ۱۸-۱۹)

عتیق کی وجہِ تسمیہ

① کہتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کے خوبرو اور حسین وجمیل ہونے کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کو ''عتیق'' کہا گیا۔ اس قول کو لیث بن سعد، احمد بن حنبل، ابن معین رحمہم اللہ اور دیگر حضرات نے بیان کیا ہے۔

② کچھ کا کہنا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاکیزہ نسب کی وجہ سے ''عتیق'' کہا گیا؛ اس لیے کہ آپ کے نسب میں کوئی نقص نہ تھا۔

③ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آپ کی والدہ (ام الخیر) کی اولاد زندہ نہیں رہ پاتی تھی؛ لیکن جب آپ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو آپ کی والدہ آپ کو لے کر بیت اللہ گئی اور دعا کی: ''اللھم إن ھذا عتیق من الموت فھبه لي''، تب ہی سے آپ کو عتیق کہا جانے لگا۔

④ ترمذی اور حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ: حضرت ابو

بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "یاأبا بکر أنت عتیق من النار" اسی دن سے آپ کو عتیق کہا جانے لگا۔

صدیق کی وجہِ تسمیہ

① حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُحد پہاڑ پر چڑھے، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے، پہاڑ ہلنے لگا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اثبت أحد! فإنها علیک نبي وصدیق وشهیدان".

(بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب فضل ابی بکر: ۱۱/ ۵۱، بحوالہ الخلیفۃ الاول: ۱۸)

② "الخلیفۃ الاول" میں مذکور ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوالِ عجیبہ وغریبہ اور ارشادِ سراپا شاد کی بکثرت تصدیق کی بنا پر آپ رضی اللہ عنہ کو صدیق کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔

③ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک رات مسجدِ اقصیٰ اور وہاں سے عرش تک لے جایا گیا، صبح وہ لوگ جو آپ پر ایمان نہیں رکھتے تھے اور آپ کی تصدیق نہیں کرتے تھے، انہوں نے آپ کو جھٹلا دیا اور کچھ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: آپ کو پتہ ہے کہ آپ کا دوست کیا کہہ رہا ہے، وہ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ گذشتہ رات انہیں بیت المقدس لے جایا گیا اور وہاں سے عرش تک لے جایا گیا،، اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ واقعی ایسا کہہ رہے ہیں؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں، تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: صَدَقَ، تب وہ تو ٹھیک ہی کہہ

رہے ہیں۔ (الخلیفۃ الاول: ۱۸)

مذکورہ بالا روایات سے آپ کو ''صدیق'' لقب دیے جانے کی وجوہات واضح ہو کر سامنے آگئیں۔

صاحب کی وجہِ تسمیہ

قرآنِ کریم میں اللہ عزوجل نے فرمایا: إلا تنصروه فقد نصره الله إذ أخرجه الذين كفروا ثاني اثنين إذ هما في الغار إذ يقول لصاحبه ...والله عزيز حكيم (التوبہ: ۴۰) تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ آیتِ مذکورہ میں ''صاحبہٖ'' سے مراد حضرت ابوبکرؓ ہیں۔

(تاریخ الدعوۃ فی عہد الخلفاء: ۳۹ بحوالہ الخلیفۃ الاول: ۱۹)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: آپ کے عظیم الشان مناقب کی وجہ سے آیتِ مذکورہ میں باری سبحانہ وتعالیٰ کے فرمان ''صاحبہٖ'' سے مراد ابوبکرؓ ہیں، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابۃ: ۴/۱۱۴۸ بحوالۂ مذکورہ)

اواہ کی وجہِ تسمیہ

صاحب الطبقات الکبریٰ فرماتے ہیں: خوف وخشیتِ خداوندی کی وجہ سے یہ لقب سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کو دیا گیا۔

ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں: اس لقب سے سب سے پہلے متصف ہونے والے حضرت ابوبکرؓ ہیں، چوں کہ آپ نہایت رقیق القلب تھے۔

(الطبقات الکبریٰ: ۳/۱۷۱ بحوالہ الخلیفۃ الاول: ۱۹)

اتقیٰ کی وجہِ تسمیہ

اللہ رب العزت نے وسیجنبھا الاتقی میں آپ رضی اللہ عنہ کو ''اتقی'' کے لقب سے ملقب کیا۔ (الخلیفۃ الاول:۱۹)

کنیت: آپ کی کنیت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھی جو شہرت میں نام سے بھی زیادہ فائق ثابت ہوئی۔

والد ماجد کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہ کا نسب یہ ہے: عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔

والدہ ماجدہ کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہ کا نسب یہ ہے: ام الخیر بنت صخر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔ (طبقات ابن سعد: ۳/۱۱۹)

دونوں کے سلسلۂ نسب کی چھٹی کڑی ''مرہ بن کعب'' پر یکجا ہوکر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسبِ عالی سے جاملتی ہے۔

والدین کا تعارف اور ان کے اسلام لانے کا واقعہ

آپ کے والد کا نام ''عثمان'' اور کنیت ''ابوقحافہ'' تھی، آپ رضی اللہ عنہ بھی فرزندِ نیک ارجمند کی طرح اپنی کنیت ہی سے مشہور ہوئے، مکہ کے معزز لوگوں میں آپ کا شمار تھا، کافی سن رسیدہ تھے، جب اسلام کی دعوت کا چرچا ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس دعوت پر لبیک کہا، اور ظاہر ہے کہ ایسے وقت میں اسلام کے قالب میں ڈھلنا کفارِ مکہ سے جھگڑا مول لینے کے مترادف تھا، چناں چہ ابوقحافہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

کے حلقہ بگوشِ اسلام ہو جانے کو جوانی کی اُپج اور جوش سمجھا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے موقع پر ثور میں پناہ لی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیریت دریافت کرنے کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا، تو ابوقحافہ لاٹھی ہاتھ میں لیے آگ بگولہ ہوگئے، اور باہر آکر کہنے لگے: یہ بھی انہیں لونڈوں میں سے ایک ہے جنھوں نے میرے بیٹے کو بگاڑ دیا ہے۔ (الاصابہ: ۲ / ۴۵۳ بحوالہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ: ۳۰)

فتحِ مکہ کے روز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کو انتہائی پیری کی حالت میں لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے، نبیٔ رحمت للعالمین نے فرمایا: ”یا أبا بکر هلا ترکته حتی ناتیه“، ابوبکر! تم نے انہیں کیوں تکلیف دی، میں خود ان کے پاس چل کر آجاتا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ”هو اولی أن یأتیک یا رسول اللّٰه“ اللہ کے رسول! وہ خود آپ کی خدمت میں آداب بجالانے کے حقدار ہیں، چناں چہ اس کے بعد اسلام لائے۔ (الاصابہ: ۴ / ۳۷۵، بحوالہ صدیقِ اکبر: ۳)

بیان کیا جاتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو والد کے قبولِ اسلام کی مبارک بادی دی، اور چوں کہ اس وقت حضرتِ ابوقحافہ کے بال بالکل سفید ہو چکے تھے، سو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”غَیِّرُوْا هٰذَا مِنْ شَعْرِهٖ“ ان کے بالوں کا خضاب کردو۔ (الاصابہ: ۴ / ۳۷۵، بحوالہ الخلیفۃ الاول: ۲۱)

یہ واقعہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توقیرِ بزرگاں اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے والہانہ

عشقِ رسول اور اکرامِ رسول کی جیتی جاگتی مثال ہے۔

آپ کی والدہ کا نام سلمٰی اور کنیت ام الخیر تھی، اوائلِ عہدِ اسلام ہی میں ایمان لے آئی تھیں۔ (تاریخ الدعوۃ فی عہد خلفاء الراشدین: ۳۰، بحوالہ الخلیفۃ الاول: ۲۱)

حلیۂ مبارک

اصحاب السیر نے راویوں کی زبانی حضرت ابوبکرؓ کی خِلقی صفات اس طرح بیان فرمائی ہے کہ رنگ گورا مائل بہ زردی، متناسب قد وقامت، مُنحنی جسم، خمدار کمر، گہری آنکھیں، چھریرا بدن، قدرے بلند اور باریک ناک، پتلی پنڈلیاں، زانوئے مبارک مضبوط اور کم گوشت والے تھے، بلند کشادہ پیشانی، انگلیوں کی جڑوں پر گوشت کم تھا، داڑھی اور سر کے سفید بالوں کو کتم اور مہندی سے خضاب کرتے تھے۔ (بخاری: ۵۸۹۵ مسلم: ۲۳۴۱، ابوبکر صدیق: ۳۲، بحوالہ الخلیفۃ الاول: ۲۰)

عہدِ جاہلیت

<u>نشو ونما، قیام اور وجاہت:</u> آپؓ نے مکہ ہی میں نشو ونما پائی، سوائے تجارت کی غرض کے مکہ سے کبھی نہ نکلے۔ بڑے متمول، بامروت، احسان وبھلائی کے خوگر اور مکہ والوں میں بڑی عزت وبزرگی والے تھے، آپؓ کی وجاہت اور عمدہ خصائل کا اندازہ ابن الدغنہ کے اس قول سے لگائیں جو اس نے آپ سے کہا تھا کہ: آپ صلہ رحمی کرنے والے، سچ بولنے والے اور مصائب وآلام کے وقت صبر کے پہاڑ اور نازک حالات میں لوگوں کے کام آنے والے اور مہمانوں کا

اکرام کرنے والے ہیں۔

قریش میں آپؓ کا مقام ومرتبہ: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ: زمانۂ جاہلیت میں آپ کا شمار قریش کے سرداروں میں ہوا کرتا تھا، آپ ان کی مجلسِ شوریٰ کے ممبر تھے، مکہ کی ہر دل عزیز اور پسندیدہ شخصیت تھے، دورِ جاہلیت میں بھی لوگ دیت کے فیصلے آپ ہی سے کرواتے تھے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جب اسلام کا آفتابِ عالم تاب طلوع ہوا تو ان تمام شرف وفضیلت کو بالائے طاق رکھ کر پورے طور پر نہ صرف دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے؛ بلکہ اشاعتِ اسلام کے لیے دین کے ایک بے لوث، مخلص اور سرگرم سپاہی بن گئے۔

ابن عساکر نے معروف بن خُربوذ سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ قریش کے ان دس افراد میں سے ایک ہیں جنہیں زمانۂ جاہلیت اور زمانۂ اسلام دونوں میں سرداری کا شرف نصیب ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ قریش میں مختلف خدمات مختلف شاخوں کے سرداران کے ذمہ تھیں، چناں چہ تیمی خاندان میں حضرت ابوبکرؓ کی حلم وبردباری کی بنا پر دِیّات، خون بہا اور تاوان وغیرہ کی ذمہ داریاں ان کے سپرد کی گئیں۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی:۲۹)

سلامتِ طبع: ابن عساکر نے حضرت عائشہؓ سے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: بخدا آپؓ نے زمانۂ جاہلیت میں کبھی فحش شعر نہیں کہا، اور نہ ہی دولتِ اسلام مل جانے کے بعد۔ ابونعیم نے حضرت عائشہؓ سے صحیح

سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ: آپ رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت ہی میں اپنے آپ پر شراب حرام کر چکے تھے۔ ابن عساکر نے ابوالعالیہ ریاحی سے نقل کیا ہے: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا: حضرت آپ رضی اللہ عنہ نے زمانۂ جاہلیت میں کبھی شراب پی؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی پناہ، تو آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: آخر کیوں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں اپنی عزت کو بچاتا ہوں اور اپنی مروت کی حفاظت کرتا ہوں؛ اس لیے کہ شراب نوش تو اپنی عزت و مروت کو کھو دیتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ قصہ بیان کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "صدق أبو بکر صدق أبو بکر"۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی:۲۹)

<u>ایک پیشین گوئی:</u> حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ملکِ شام میں قیام پذیر تھے کہ اُن دنوں آپ رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا، آپ نے وہ خواب بحیرا راہب کے سامنے بیان کیا تو راہب نے اُن سے پوچھا کہ: آپ کہاں سے تعلق رکھتے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: مکہ سے، راہب نے پوچھا: کس قبیلہ سے ہو؟ جواب دیا کہ: قبیلۂ قریش سے، پھر اس نے سوال کیا: آپ کا پیشہ کیا ہے؟ جواب دیا: تجارت، تب راہب نے کہا: اگر اللہ نے آپ کا یہ خواب سچ کر دکھایا، تو آپ نبیٔ آخرالزماں کی حیات میں ان کے وزیر ہوں گے اور ان کی وفات کے بعد اُن کے جانشیں ہوں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بات دل ہی دل میں چھپا رکھی، جس وقت حضورِ پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کا نزول ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو دینِ الٰہی کی دعوت دینے

لگے تو سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر دعوت پیش کی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ ساتھی ہیں جن کو آپ بعثت سے پہلے جانتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اچھی طرح واقف تھے، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے سامنے دعوت پیش کرتے ہوئے کہا: میں اللہ کا رسول اور اس کا نبی ہوں، اللہ نے مجھے مبعوث فرمایا اور حکم دیا کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو اور اسی کی فرماں برداری کو لازم پکڑو، یہ سننا ہی تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ بلا تأمل اور بغیر پس وپیش کیے حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نصرت واعانت کا وعدہ کیا اور پھر اس کو کماحقہٗ پورا بھی کر دکھایا، ''إن اللّٰه بعثني إليكم فقلتم: كذبت، وقال أبوبكر: صدق، وواساني بنفسه وماله، فهل أنتم تاركولي صاحبي''؟۔(الخلیفۃ الاول:٢٩)

آپ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ جاہلیت کے دوست تھے، ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کے ارادہ سے گھر سے نکلے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو عرض کیا: اے ابو القاسم! (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت) کیا بات ہے آپ اپنی قوم کی مجلسوں میں نظر نہیں آتے، اور لوگ آپ پر یہ الزام تھوپتے ہیں کہ آپ ان کے آبا واجداد کو بُرا بھلا کہتے ہو، اور ان کے عیوب تلاش کرتے ہو؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تو اللہ کا رسول ہوں، اور تمہیں اللہ کے دین کی دعوت دیتا ہوں۔ جوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بات پوری فرمائی،

حضرت ابوبکر فوراً مسلمان ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرتِ ابوبکر کے اسلام لانے سے اس قدر خوش ہوئے کہ کوئی بھی مکہ کی ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان (جن کو اخشبین کہتے ہیں) آپ سے زیادہ خوش نہ تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں سے حضرت عثمان بن عفان اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لے گئے، یہ حضرات بھی مسلمان ہو گئے، دوسرے روز آپ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت عثمان بن مظعون، حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سلمہ بن عبدالاسد اور حضرت ارقم بن ابوالارقم رضی اللہ عنہم کو لے کر حاضر ہوئے، اور یہ تمام حضرات بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

(الحافظ ابوالحسن الطرابلسی کذافی البدایہ: ۳/ ۲۹ بحوالہ حیاۃ الصحابہ: ۱/ ۸۳)

تبلیغِ اسلام میں آپ رضی اللہ عنہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت کا پورا پورا حق ادا کیا، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر روز بلا ناغہ صبح وشام آپ رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے جاتے اور تبلیغِ اسلام کے متعلق راز دارانہ مشورے ہوتے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن قبیلوں، جن بستیوں اور جن میلوں میں خدا کا پیغام سنانے تشریف لے جاتے تو آپ رضی اللہ عنہ بھی ہمراہ ہو لیتے، آپ رضی اللہ عنہ ہی کی محنت سے اجلۂ صحابہ رضی اللہ عنہم مشرف بہ اسلام ہوئے جن کا تذکرہ ماقبل میں ہو چکا۔

غلاموں پر قریش کے مظالم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دادرسی: دعوتِ اسلام

کے پر آشوب دور میں حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ راست اور قوت بازو تھے، جنہوں نے زندگی کی ہر سانس دعوت الی اللہ اور اسلام کی نشر واشاعت کے لیے وقف کر رکھی تھی، جہاں ایک طرف وہ سردارانِ قریش کو اسلام کی طرف بلاتے تھے وہیں دوسری جانب ان غریب و بے کس غلاموں کی طرف ہمیشہ دستِ تعاون دراز رکھتے تھے جو محض دعوتِ حق قبول کر لینے کی پاداش میں قریش کے ظلم وستم کے تختۂ مشق بنے ہوئے تھے، چناں چہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ظالم سردارانِ مکہ کے شکنجہ سے کئی صحابۂ کرامؓ کو آزادی کی نعمتِ غیر مترقبہ سے نوازا، ذیل میں ان کے مختصر حالات سپردِ قرطاس کیے جاتے ہیں:

حضرت بلالؓ: یہ نسبتاً حبشی اور امیہ بن خلف کے غلام تھے، امیہ ٹھیک دوپہر کے وقت جب کہ عرب کی زمین آگ کا توا بن جاتی تھی حضرت بلالؓ کو اس پر لٹا دیتا اور پتھر کی چٹان سینے پر رکھ دیتا؛ تاکہ جنبش نہ کرسکیں اور ان سے کہتا کہ اسلام سے پھر جا؛ ورنہ اسی حالت میں تڑپ تڑپ کر مر جائے گا۔ حضرت بلالؓ اس کے جواب میں ''اَحد اَحد'' کا ایسا نعرۂ مستانہ لگاتے گویا ان کو اس میں مزہ ملتا ہو اور یہ شقی آپ کے گلے میں رسی باندھ کر اوباشوں کے حوالے کر دیتا جو اسی حالت میں انہیں گھسیٹ گھسیٹ کر شہر میں لیے پھرتے؛ لیکن اس عالم میں بھی آپ ''احد احد'' فرماتے رہتے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب یہ حالات دیکھے تو آپ سے رہا نہ گیا اور امیہ سے خرید کر آپ کو آزاد کر دیا۔

عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ: طفیل بن عبد اللہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اخیافی (ماں شریک) بھائی تھے حضرت بلال وعمار ومصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ عامر بن فہیرہ نے بھی اسلام قبول کیا، چناں چہ انہوں نے بھی سخت مصائب وآلام کا سامنا کیا؛ لیکن اسلام پر استقامت ومضبوطی کے ساتھ جمے رہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کے حالات کا علم ہوا تو آپ نے ان کو بھی خرید کر آزاد کردیا۔ (صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ: ۱۰-۱۱)

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ: حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ پر سب سے بڑا ظلم یہ کیا گیا کہ ایک دن کوئلے دہکائے گئے اور ان کو دہکائے ہوئے کوئلوں پر چت لٹایا گیا، ایک شخص کو سینے پر پیر رکھوا کر کھڑا کردیا، تاکہ ہٹنے نہ پائیں، آپ کی چربی اور خون سے وہ انگارے سرد ہوتے، مدتوں کے بعد حضرت فاروقِ اعظم کے سامنے اس ظلم کا تذکرہ ہوا تو حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی جو ساری سفید ہوچکی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد فرمایا۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ: حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ان کے والد یاسر رضی اللہ عنہ دونوں ایک ساتھ گرم ریت پر لٹائے جاتے اور اس قدر مارا جاتا کہ بے ہوش ہوجاتے، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ تو اسی میں جاں بحق ہوگئے، حضرت عمار کو خرید کر آزاد فرمایا۔ اسی طرح اور بھی غلاموں کو خرید خرید کر آزاد فرمایا مثلاً: حضرت صہیب رومی، حضرت فکیہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زنّیرہ۔ (سیرت خلفائے راشدین: ۳۳)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ فیاضیاں خالصۃً لوجہ اللہ تھیں۔ ایک مرتبہ ان کے

والد ابوقحافہ نے کہا: ابوبکر تم زیادہ تر کمزوروں اور ان میں بھی عورتوں کو خرید خرید کر آزاد کرتے ہو، بھلا بتلاؤ! یہ تمہارے کس کام آویں گے؟ اگر ان کے بجائے تم تندرست توانا غلام مردوں کو خرید کر آزاد کرو تو کبھی وقت پڑنے پر وہ تمہاری مدد بھی کر سکتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: ابّا جان! میں تو یہ سب کچھ صرف انعامِ خداوندی حاصل کرنے کے لیے کرتا ہوں۔ (صدیقِ اکبر: ۱۳۰)

مکہ کے لیل ونہار اور آپ کی دردانگیز قربانیاں

مکہ کا دور اہلِ اسلام کے لیے نہایت ہی صبر آزما تھا، خود آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھ آپ کے جاں نثاروں کو اس قدر تکلیفیں پہنچائی جاتیں کہ آج بھی ان کا تصور جسم پر لرزہ طاری کر دیتا ہے؛ لیکن اسلام وہ نشہ نہیں تھا جس کو جسمانی تکلیفوں کی تُرشی اتار سکتی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی چنداں فکر نہیں تھی؛ البتہ ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی آنچ نہ آوے۔

کفار جب کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دستِ ظلم دراز کرتے تو یہ جاں نثار مخلص رفیق خود کی جان داؤ پر لگا کر سینہ سپر ہو جاتا۔ ایک دفعہ آپ خانۂ کعبہ میں دعوت دے رہے تھے، مشرکین اس سے سخت برہم ہوئے، اور آپ کو اس قدر مارا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے ہوش ہو گئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر کہا: کم بختو! کیا تم صرف ان کو اس لیے قتل کر دو گے کہ وہ ایک خدا کا نام لیتے ہیں۔

(فتح الباری: ۷/ ۱۲۹ بحوالہ سیر الصحابہ: ۱/ ۲۳-۲۴)

اسی طرح ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی حالت میں عقبہ بن معیط نے اپنی چادر گردنِ مبارک میں ڈال کر اِس طرح بَل دیا کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دم گھٹنے لگا، اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پہنچ گئے، عقبہ کو کاندھوں کے بل دھکا دے کر وہاں سے ہٹایا اور بولے! ارے ظالمو! کیا تم اس کو قتل کروگے جو تمہارے پاس خدا کی نشانیاں لایا اور کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ (سیر الصحابہ ۱/ ۲۴)

مسندِ بزار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا کہ قریش نے آپ کو گھیر رکھا تھا، کوئی آپ کو پکڑ کر کھینچتا، کوئی دھکا دیتا اور کہتے کہ تو وہی ہے جس نے سب خداؤں کو ملا کر ایک کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ منظر اس قدر بھیانک تھا کہ ہم میں سے کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ ہاں! ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور انہوں نے قریشیوں میں سے کسی کو مارا، کسی کو دھکا دیا، کسی کو پیچھے ہٹایا اور کہتے جاتے: بدبختو! کیا تم اس کو قتل کردوگے جو اللہ کو اپنا رب کہتا ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ: یہ کہہ کر حضرت علی نے اپنی چادر اٹھائی اور رونے لگے: یہاں تک کہ داڑھی تر ہوگئی، اس حالت میں لوگوں سے پوچھا: اچھا بتاؤ: آلِ فرعون کا مؤمن اچھا تھا یا ابوبکر؟ لوگ خاموش رہے، آپ نے دریافت فرمایا: کیا مجھ کو جواب نہیں دوگے؟ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: بخدا! ابوبکر کا ایک لمحہ آلِ فرعون کے مؤمن جیسے شخص کے ہزاروں لمحوں سے بہتر ہے؛ اس لیے کہ یہ شخص

ایمان پوشیدہ رکھتا تھا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے ایمان کا اعلان کرتے تھے۔ (صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ: ۱۰)

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ: حضور! ہم اسلام کا کھل کر اعلان و اظہار کیوں نہ کریں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابو بکر! ابھی ہم لوگ بہت تھوڑے ہیں؛ مگر آپ رضی اللہ عنہ برابر عرض کرتے رہے! یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے اور پھر سب لوگ کعبہ کے اندر ادھر اُدھر بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکر صدیق وعظ کہنے کھڑے ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف فرما تھے۔ اسی وعظ کی وجہ سے اصحابِ سیر کا کہنا ہے:

"وكان أول خطيب دعا إلى الله عز وجل وإلىٰ رسول صلى الله عليه وآله وسلم"۔

آپ پہلے واعظ اور خطیب ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا کہ مشرکین چاروں طرف سے آپ پر ٹوٹ پڑے اور وہاں موجود دوسرے مسلمانوں کو بھی بہت زدوکوب کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیروں تلے روند ڈالا اور بہت سخت پیٹا، عتبہ بن ربیعہ نے تو آپ کو جوتیوں سے مارنا شروع کیا، آپ کے چہرہ پر مارا جس سے چہرہ پر اس قدر ورم آگیا کہ ناک اور منہ معلوم نہ ہوتا، تھا یہاں تک کہ بے ہوش ہوگئے، اتنے میں قبیلۂ بنی تیم کے لوگ دوڑتے ہوئے آئے اور انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس سے مشرکوں کو ہٹایا اور ان کو کپڑے میں لٹا کر ان کے گھر لے گئے، ان سب کو یقین تھا کہ اب یہ زندہ نہ

رہیں گے، پھر بنی تیم کے لوگ لوٹ کر کعبہ میں آئے اور کہنے لگے کہ: اللہ کی قسم! اگر ابو بکرؓ مر گئے تو ہم ضرور بالضرور عتبہ کو مار ڈالیں گے، اس کے بعد پھر وہ ابو بکرؓ کے پاس آئے، ابو قحافہ اور قبیلۂ بنی تیم کے لوگ ان کو برابر آواز دیتے رہے؛ مگر آپ پر بے ہوشی طاری تھی، جواب نہ دے سکتے تھے، یہاں تک کہ شام ہوگئی، جب انہیں ہوش آیا تو سب سے پہلے یہ بات پوچھی کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے ہیں؟ قبیلہ کے لوگوں نے جب یہ سنا تو اُن کو بُرا بھلا کہنے لگے کہ جس شخص کی وجہ سے تم کو یہ تکلیف پہنچی ہے تم اُسی کا پوچھ رہے ہو! لوگ اُٹھ کر چل دیے۔

آپ کی والدہ آپ کے پاس آئیں اور کھانے پینے پر اصرار کرتی رہیں؛ مگر آپ کا ایک ہی سوال رہا کہ بتاؤ! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟ ماں نے کہا: بیٹا! مجھے معلوم نہیں کہ وہ اس وقت کس حال میں ہیں، آپ نے والدہ سے کہا کہ: امِ جمیلؓ کے پاس جا کر معلوم کریں، والدہ وہاں گئیں، انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کر دیا؛ تاہم وہ حضرت ابو بکرؓ سے ملنے کے لیے آئیں؛ تاکہ اُن کو کھانے پینے پر راضی کر سکیں، امِ جمیل نے حضرت ابو بکرؓ کو دیکھا تو ضبط نہ کر سکیں اور کہا کہ: جن لوگوں نے تمہارے ساتھ ایسا کیا ہے وہ بڑے ناہنجار قسم کے لوگ ہیں، مجھے یقین ہے کہ اللہ اُن سے تمہارا انتقام ضرور لے گا، حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ: یہ باتیں بعد میں کرنا، پہلے یہ بتاؤ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے ہیں؟ امِ جمیلؓ نے آہستہ سے کہا کہ: تمہاری والدہ سُن رہی ہیں تم ابھی نہ پوچھو؛ حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ: میری

والدہ سے کچھ اندیشہ نہ کرو تو امِ جمیل نے کہا کہ: ابوبکر فکر کی بات نہیں ہے وہ صحیح سالم ہیں، پوچھا: کہاں تشریف رکھتے ہیں، امِ جمیل نے کہا؛ دارِ ارقم میں ہیں۔ اس کے بعد جب ان دونوں نے ان کو کھانے پر راضی کرنے کی کوشش کی تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ: میں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور پہنچ کر آپ کا دیدار نہ کرلوں گا وہاں تک نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔

چناں چہ دن ڈھل گیا اور لوگ اپنے اپنے گھروں میں سو گئے تو آپ کی والدہ اور امِ جمیل نے آپؓ کو ساتھ لیا اور آپؓ ان دونوں پر ٹیک لگاتے ہوئے چلے؛ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں جا پہنچے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو حضرت ابوبکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھک پڑے اور آپ کی پیشانی مبارک کو چوم لیا اور سب مسلمان حضرت ابوبکر پر جھک پڑے، خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دوست کا یہ حال دیکھا تو آپ بھی رو پڑے، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: آپ پر میرے ماں باپ قربان! جو کچھ ان بد بخت لوگوں نے میرے ساتھ کیا ہے اب اس کا مجھے کوئی دکھ نہیں ہے (آپ کی زیارت ہوگئی اِس سے سب تکلیفیں دور ہوگئیں) ہاں! ایک عرض ضرور ہے کہ یہ میری والدہ ہیں اور بڑی خدمت گزار ہیں اور آپ سرچشمۂ برکت ہیں، آپ انہیں اللہ کی جانب بلائیے اور اُن کے بارے میں اللہ سے دعا کیجئے، امید ہے کہ اللہ آپ کی دعا کی برکت سے ان کو اسلام کی دولت وسعادت نصیب فرماوے۔ (الریاض النضرۃ ۱/ ۷۶۔ ازالۃ ۱/ ۱۸۶ بحوالہ ازالۃ الضیق: ۹۸)

شعب ابی طالب

سو جب سے حضرت ابوبکرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن پکڑا اس دن سے بس آپ ہی کے ہو کر رہ گئے تھے، آپ کی خوشی ان کی خوشی اور آپ کا دکھ ان کا دکھ ہو گیا تھا، آپؓ ہمیشہ اپنے محبوب آقا کے ساتھ رہتے اور اسلام کی خاطر ساری تکالیف نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت فرماتے رہے۔ شعبِ ابی طالب میں جب مسلمان محصور کر دیے گئے اس وقت بھی آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے حالاں کہ بائیکاٹ تو صرف بنی ہاشم سے ہوا تھا، اس واقعہ کے گواہ خود جناب ابوطالب ہیں جس وقت جناب ابوطالب اس محاصرہ سے باہر آئے حضرت ابوبکر بھی اسی وقت نکلے تھے، جناب ابوطالب نے اُن دنوں کی یاد میں جو قصیدہ کہا تھا اس میں خود کہتے ہیں:

هم رجعوا سهل بن بيضاء راضيا		وسر أبو بكر بها ومحمد

قریش نے بیضاء کے بیٹے سہل کو خوش کر کے واپس کر دیا اور ابوبکر اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں اس پر خوش ہو گئے۔

(سیرت ابن ہشام: ۱/ ۴۱۶، ناسخ التواریخ: ۲/ از کتاب اوّل: ۶۲۲ بحوالہ ازالۃ الضیق: ۱۰۰۔۱۰۱)

ہجرت کا ارادہ اور واپسی

جب مسلمانوں کو آزمایا جانے لگا اور تکلیفیں پہنچائی جانے لگیں تو حضرت ابوبکر صدیقؓ سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کے ارادہ سے نکلے، جب آپؓ ''برک الغماد'' تک پہنچے تو قبیلۂ قارہ کے سردار ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی

(ایک قول کے مطابق اس کا نام حارث بن یزید تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا نام مالک تھا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس کا نام ربیعہ بن رفیع تھا) اس نے آپؓ سے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ: میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے؛ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ زمین کی سیاحت کروں اور پالنہار کی عبادت و پرستش کروں۔ ابن الدغنہ نے کہا: ”فإن مثلک یا أبا بکر لا یخرج ولا یُخرج إنک تکسب المعدوم وتصل الرحم وتحمل الکل، وتقري الضیف، وتعین علیٰ نوائب الحق“، چناں چہ حضرت ابوبکرؓ ابن الدغنہ کے ساتھ لوٹ آئے۔ ابن الدغنہ قریش کے سرداروں میں گھومے اور ان سے کہا: ابوبکر جیسا آدمی نہ نکلے گا اور نہ نکالا جائے گا، میں ان کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ قریش ابن الدغنہ کے پناہ دینے کی وجہ سے خاموش رہے اور ابن الدغنہ سے کہا: آپ ابوبکر کو حکم دیجیے کہ وہ اپنے گھر میں اپنے پروردگار کی عبادت کریں اور وہیں نماز بھی پڑھ لیا کریں؛ لیکن ان چیزوں کے ذریعہ ہمیں تکلیف نہ دیں؛ اس لیے کہ ہمیں یہ خدشہ ہے کہ کہیں وہ ہماری عورتوں کو اور ہمارے بچوں کو فتنہ میں نہ ڈالیں۔ ابن الدغنہ نے یہ باتیں حضرت ابوبکرؓ سے کہیں، چناں چہ حضرت ابوبکرؓ گھر ہی پر اپنے پروردگار کی عبادت کرتے، نماز پڑھتے اور گھر ہی میں تلاوت بھی فرماتے، پھر حضرت ابوبکرؓ کے دل میں کچھ خیال آیا تو انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں اونچے چبوترے پر مسجد تعمیر کی، اور اس میں نماز پڑھنا شروع کر دیا، آپؓ نہایت

رقتِ قلب کے ساتھ پُرسوز تلاوت فرماتے اور روتے جاتے اتنا روتے کہ ہچکیاں بندھ جاتیں، مشرکین کی عورتیں اور بچے آپ کے پاس جمع ہوجاتے اور آپ کو دیکھ کر تعجب کرتے، اس معاملہ نے قریش کے بڑے بڑے مشرک سرداروں کو بھی خوف زدہ کر دیا، ان سرداروں نے ابن الدغنہ کو بلا بھیجا، چناں چہ ابن الدغنہ آئے، سرداروں نے کہا: ہم نے ابوبکر کو آپ کے پاس اس شرط پر پناہ دی تھی کہ وہ اپنے گھر ہی میں اپنے پروردگار کی پرستش کریں؛ لیکن وہ تو حد تجاوزی کر گئے اور اپنے گھر کے صحن میں مسجد تعمیر کر ڈالی، علانیہ نماز ادا کرتے ہیں، اور جہراً قرآن کی تلاوت بھی کرتے ہیں، ہمیں یہ خدشہ لاحق ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہمارے بیوی بچوں کو فتنہ میں ڈالیں، اس لیے آپ انہیں روکیے، اگر انہیں اپنے گھر ہی میں اپنے رب کی عبادت کرنا پسند ہے تو کوئی حرج نہیں، ورنہ اگر وہ انکار کرتے ہیں اور علانیہ طور پر عبادت کرنا چاہتے ہیں تو آپ ان سے درخواست کریں کہ آپ کا ذمہ آپ کو واپس لوٹا دیا جائے گا (یعنی اگر حد تجاوزی کریں گے تو آپ کو پناہ نہیں دی جائے گی) اس لیے کہ ہمیں یہ بالکل پسند نہیں کہ آپ کے ساتھ غداری کریں۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ: ابن الدغنہ ان سردارانِ قریش کے پاس سے سیدھے حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: آپ نے جس چیز کا معاہدہ کیا تھا اسے آپ اچھی طرح جانتے ہیں آپ کو اس پر باقی رہنا پڑے گا؛ ورنہ پھر میرا ذمہ مجھے واپس کردو؛ اس لیے کہ مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں ہے کہ

عربوں میں چرچا ہو کہ جس آدمی سے میں نے عہد و پیمان لیا تھا اس میں دھوکا کھا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے برملا کہا: میں آپ کو آپ کا ذمہ لوٹا تا ہوں، اور اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ (مجھے آپ کی پناہ کی کوئی ضرورت نہیں، میں تو اللہ کی پناہ پر راضی ہوں) چناں چہ حضرت ابوبکرؓ ابن الدغنہ کے پاس سے نکلے اور جانے لگے تو راستے میں ایک احمق اور بیوقوف قریشی کا سامنا ہوا تو جس نے آپ کے سر پر مٹی ڈالی، اس وقت ولید بن مغیرہ یا عاص بن وائل میں سے کوئی ایک حضرت صدیقِ اکبر کے پاس سے گذرا تو حضرت ابوبکرؓ نے اس سے کہا: نظر نہیں آتا کہ یہ بیوقوف کیا کر رہا ہے، تو اس نے جواب دیا یہ خود تم نے کیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ یہ کہے جارہے تھے: ای رب ما أحملک، ای رب ما أحملک، ای رب ما أحملک، اے میرے پروردگار! تو کتنا حلیم و بردبار ہے۔

(البدایہ والنہایہ: ۳/ ۹۵ بحوالہ الخلیفۃ الاول: ۳۹-۳۰)

ہجرتِ مدینہ

نزولِ وحی کے بعد تیرہ برس تک حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں قیام فرمایا، صبر وتحمل اور عزم واستقلال کی جو شان ان تیرہ برس میں ذاتِ اقدس سے عیاں ہوئی وہ قیامت تک نوعِ انسانی کے واسطے شمعِ ہدایت کا کام دے گی، بارہ تیرہ سال بعد ہجرت کا حکم آیا۔ چناں چہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ہجرت کرنے سے چار مہینے پہلے اپنے اصحاب کو ہجرتِ مدینہ کی عام اجازت مرحمت

فرمائی، جوق در جوق صحابہ رضی اللہ عنہم دار الہجرت کو جانے لگے، حضرت صدیقِ اکبر نے چند مرتبہ ہجرت کا قصد کیا؛ لیکن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "لا تعجل لعل اللّٰہ یجعل لک صاحبا"، ترجمہ: جلدی نہ کرو، بہت ممکن ہے اللہ رب العزت تمہیں کوئی ساتھی عنایت کرے۔ (تاریخ الدعوۃ الی الاسلام: ۱۰۷)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت میں ہجرت کے خواہاں تھے، اس کے لیے آپ نے پہلے سے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے والد ماجد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہجرت کے بارے میں فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر روزانہ بلا ناغہ صبح وشام تشریف لاتے، یہاں تک کہ جب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کی اجازت مل گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچانک ہمارے گھر تشریف لائے، جب ابا جان نے آپ کو دیکھا تو فرمایا کہ: یقیناً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت کسی ضروری کام سے آئے ہوں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں قدم رنجہ ہوئے تو ابا جان نے آپ کے لیے چارپائی بچھائی، آپ اس پر بیٹھ گئے، اس وقت وہاں سوائے میرے اور میری بہن اسماء کے کوئی نہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس جو بھی ہو اس کو باہر بھیج دو۔ ابا جان نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! یہ تو میری دو بیٹیاں ہیں، میرے ماں باپ آپ پر قربان! کیا بات ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے مجھے ہجرت کی اجازت مرحمت فرمادی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ابا جان نے کہا: اے اللہ کے

رسول! ساتھ میں کون ہوگا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر! آپ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: بخدا میں نے اس دن سے پہلے کسی کو مارے خوشی کے اتنا روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا جتنا کہ اس روز ابا جان کو دیکھ رہی تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے نبی! میں نے دوسواریاں اسی لیے تیار کر رکھی ہیں، چناں چہ ان دونوں حضرات نے عبد اللہ بن اریقیط لیثی کو اجرت پر لیا؛ تاکہ وہ انہیں راستہ دکھائے، اور دونوں سواریاں اس کے حوالے کر دیں کہ طے شدہ وقت پر مقررہ جگہ پہنچ جائے۔

ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اوران کے گھرانے کی قربانیاں

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: زادِ سفر تیار کر لیجیے، آپ رضی اللہ عنہ فوراً تعمیلِ حکم بجالائے اور تیار ہوگئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے جلدی جلدی رختِ سفر تیار کیا۔ حضرت اسماء کو توشہ دان باندھنے کے لیے کوئی چیز نہیں ملی تو انہوں نے اپنا کمر بند پھاڑ کر باندھا (اور دربارِ نبوت سے ذات النطاقین کا خطاب پایا) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو اونٹنیاں سفرِ ہجرت کے لیے تیار کر رکھی تھیں ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیمتاً قبول فرمایا اور دوسری اونٹنی اپنے لیے رکھی۔

اس قافلہ کی پہلی منزل غارِ ثور تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غار میں پہلے داخل ہوکر اس کو درست کیا، جو سوراخ نظر آئے ان کو بند کیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

اندر تشریف لانے کے لیے عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس غار میں داخل ہوئے اور اپنے رفیقِ مونس کے زانو پر سرِ مبارک رکھ کر مشغولِ استراحت ہو گئے۔ غار کے سوراخوں میں ایک سوراخ رہ گیا تھا جس کو آپ رضی اللہ عنہ نے پیر کا انگوٹھا رکھ کر بند کر دیا، اتفاقاً اس میں ایک سانپ موجود تھا اس کاٹ لیا، زہر اثر کرنے لگا درد وکرب کے باعث آنکھوں سے آنسو کی لڑیاں جاری ہو گئیں؛ لیکن اس وفا شعار رفیق نے اپنے جسم کو حرکت نہ دی کہ اس سے آقا کے خوابِ استراحت میں خلل اندازی ہو گی، اتفاقاً آنسو کا ایک قطرہ ڈھلک کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور پر ٹپکا جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہو گئے اور اپنے مخلص غمگسار کو بے چین دیکھا تو پوچھا: ابوبکر! کیا بات ہے؟ بہت غمگین نظر آرہے ہو؟ عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت اس مقام پر اپنا لعابِ دہن لگا دیا، اس تریاق سے زہر کا اثر دور ہو گیا۔ (زرقانی: ۱/ ۳۸۹، بحوالہ سیر الصحابہ: ۱/ ۲۷)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو ہدایت کر رکھی تھی کہ دن کو مکہ میں جو واقعات پیش آئیں رات کو ہمارے پاس آکر ان کی اطلاع کرتے رہنا۔ اسی طرح اپنے غلام عامر بن فہیرہ کو حکم دیا تھا کہ مکہ کی چراگاہ میں بکریاں چرائیں اور رات کے وقت غار کے پاس لے آئیں۔ چناں چہ صبح کے وقت جب حضرت عبداللہ واپس آتے تو حضرت عامر بن فہیرہ ان کے نشانِ قدم پر بکریاں لاتے؛ تاکہ نشان مٹ جائے اور کسی کو شبہ نہ ہو، رات کے وقت ان ہی

بکریوں کا تازہ دودھ غذا کے کام آتا، غرض تین دن اور تین راتیں اسی حالت میں بسر ہوئیں اور یہ تمام کارروائی اس احتیاط سے عمل میں آئی تھی کہ قریش کو ذرا بھی شبہ نہ ہوا۔ (سیر الصحابہ ۱/ ۲۷)

اس عرصہ میں کفار بھی اپنی کوششوں سے غافل نہ تھے جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی ہے اسی روز قریش کی مجلسِ مشاورت سے آپ کے قتل کا فتویٰ صادر ہو چکا تھا اور تمام ضروری تدبیریں عمل میں آ چکیں تھیں، چناں چہ ابوجہل وغیرہ رات بھر کاشانۂ اقدس کا محاصرہ کیے رہے؛ لیکن جب صبح خواب گاہ میں داخل ہوئے تو وہ گوہرِ مقصود سے خالی تھا، وہاں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دولت کدہ پر گئے اور حضرت اسماء سے ان کے والد کی بابت دریافت کیا، انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو ابوجہل نے غضبناک ہوکر اس زور سے ایک طمانچہ مارا کہ کان کی بالی نکل کر جا پڑی۔ (سیرت ابن ہشام: ۱/ ۲۶۹ بحوالہ سیر الصحابہ ۱/ ۲۸)

قریش اپنے منصوبے میں ناکامی پر سخت برہم ہوئے، اسی وقت اعلان کیا گیا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے، چناں چہ متعدد بہادروں نے مذہبی جوش اور انعام کی لالچ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش شروع کر دی، مکہ کے اطراف میں کوئی آبادی، ویرانہ، جنگل اور پہاڑ یا سنسان میدان ایسا نہ ہوگا جس کا جائزہ نہ لیا گیا ہو، یہاں تک کہ ایک جماعت غار کے پاس پہنچی، اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نہایت اضطراب ہوا

اور حزن و یاس کے عالم میں بولے: اگر وہ ذرا بھی نیچے کی طرف نگاہ کریں گے تو ہم دیکھ لیے جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تسلی دی اور فرمایا: مایوس وغمزدہ نہ ہوں، ہم صرف دو نہیں ہیں ایک تیسرا (خدا) بھی ہمارے ساتھ ہے۔

(سیرت ابن ہشام ۱/ ۲۶۹ بحوالہ سیر الصحابہ: ۱/ ۲۸)

اس تشفی آمیز فقرہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اطمینان ہوگیا اور ان کا مضطرب دل امدادِ غیبی کے تیقن پر لازوال جرأت واستقلال سے لبریز ہوگیا، خدا کی قدرت کہ کفار جو تلاش کرتے ہوئے اس غار تک پہنچے تھے ان کو یکسر محسوس نہ ہوا کہ ان کا گوہرِ مقصود اسی کان میں پنہاں ہے اور وہ ناکام واپس چلے گئے۔

(سیر الصحابہ: ۱/ ۲۸)

مدینہ میں آپ کا پرتپاک استقبال

یہ قافلہ اب مکہ کو خیر باد کہہ کر مدینہ کی سمت رواں دواں ہے، اسی دوران یہ خبر اہلِ مدینہ کو پہنچ جاتی ہے کہ سید المرسلین مدینہ کا رُخ کر چکے ہیں، اس خبر کو سنتے ہی انصار کا بچہ بچہ سراپا انتظار بنا بیٹھا ہے، چناں چہ مدینہ سے دور ''حیرہ'' نام کا ایک ٹیلہ تھا، پو پھٹتے ہی سراپا جمالِ محمدی کے دیوانے اس ٹیلہ پر پہنچ جاتے، اور پاؤں اونچا کر کے گردن کو بل دے کر اپنی نظریں آپ کی ذاتِ بابرکت کے انتظار میں بچھائے رکھتے، یہاں تک کہ سورج کی شعائیں ان کی آنکھوں کو چکا چوند کر دیتی، جب امید کی آخری کرن ٹوٹ جاتی تو مایوس ہو کر پسینے میں شرابور یاس وناامیدی

کی حالت میں بوجھل قدموں کے ساتھ بادلِ ناخواستہ اپنے گھروں کا رُخ کر لیتے، آخر کار وہ دن جس کے دیدار کے لیے یہ فدایانِ رسول بے تاب تھے، آ گیا۔ ایک یہودی کی آنکھیں تاجدارِ مدینہ اوران کے پاکباز، نیک طینت صحابی رضی اللہ عنہ کو دیکھنے میں کامیاب ہوئیں جو کہ سفید لباس میں ملبوس تھے، بے اختیار اس کے منہ سے یہ صدا بلند ہوئی ”یا معشر العرب هذا جدكم الذي تنتظرون“ (لوائے عرب کے لوگو! جس شخصیت کا تمھیں بے صبری سے انتظار تھا وہ آ گئی) یہ عاشقانِ رسول اسلحہ سے سج دھج کر لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے آپ کے استقبال کے لیے لپکے، قافلے کو صحیح سلامت دیکھ کر سب نے سکون واطمینان کا سانس لیا، تاجدارِ بطحا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہیں پر آباد عمرو بن عوف کے ایک ممتاز گھرانے کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے نوازا۔ آقائے دوجہاں سواری سے اتر کر خاموش بیٹھ گئے؛ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ادباً کھڑے رہے، جو انصار پہلی مرتبہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے کی سعادت سے مالا مال ہو رہے تھے وہ تو ابتدا میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو پیغمبرِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھ کر ان سے علیک سلیک کرنے لگے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ معاملہ کی حقیقت سمجھ گئے، اٹھے اور سرورِ کائنات پر اپنی چادر سے سایہ کرنے لگے، اس منظر نے لوگوں کو بہ آسانی سمجھا دیا کہ گوہرِ مقصود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں اور جاں نثار خادم کون؟

مدینہ کے شب وروز

قبا میں دو ہفتہ قیام کے بعد یہ قافلہ مدینہ کی جانب چل دیا، حضرت ابو

ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے اطراف واکناف میں سنّح نامی محلہ میں خارجہ بن زید بن ابی زبیر کے پاس قیام فرمایا اور وہیں تجارتی کاروبار شروع کردیا، آگے چل کر خارجہ کی بیٹی حبیبہ سے نکاح بھی کرلیا اور پھر اسی کو اپنا مسکن بنالیا، چند دنوں کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ امّ رومان، صاحب زادہ عبداللہ اور صاحب زادیاں حضرت اسماء اور حضرت عائشہ بھی مدینہ پہنچ گئیں، آپ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد چھ ماہ تک اسی جگہ رہے۔ (طبقات ابن سعد، تذکرہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بحوالہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ۲۸)

یثرب کا بخار اور عقد مواخات

مدینہ کی آب وہوا مکہ سے قدرے مختلف تھی، کچھ دنوں بعد حضرت ابوبکر تپ ولرزہ میں مبتلا ہوگئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مزاج پرسی کی غرض سے آئیں تو آپ نے یہ شعر پڑھا:

كل امرئ مصبح في أهله		والموت أدنىٰ من شراک نعله

ترجمہ: ہر شخص اپنے اہل وعیال میں خوش عیش زندگی گزارتا ہے، حالاں کہ موت تو اس کے جوتے کے تسمہ سے بھی زیادہ قریب ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور ابا جان کا حال بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دربارِ خداوندی میں ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا اے اللہ! آپ مدینہ کو بھی ہمارے لیے ایسا ہی محبوب بنا دیجیے جیسا کہ مکہ

تھا یہاں کی آب وہوا کو راحت بخش بنا دیجیے اور بخار کو یہاں سے منتقل فرما دیجیے، کچھ مدت کے بعد بخار ایک بدصورت عورت کی شکل میں مدینہ سے نکل گیا۔

(بخاری ۱/ ۵۵۹)

ادھر باشندگانِ مدینہ کو ''انصار'' کے لقب سے نوازا گیا جب کہ مکہ کو داغِ مفارقت دے کر آنے والے دین کے شیدائیوں کو ''مہاجرین'' کے لقب سے ملقب کیا گیا، پھر دونوں جماعتوں کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باہمی مؤاخات و بھائی چارگی کے مضبوط بندھن میں باندھ دیا اور ان کے مابین ایک رشتہ قائم کر دیا، جس کے نتیجے میں ایک مسلمان بھائی نے اپنے دوسرے بھائی کے ساتھ حسنِ سلوک کر کے اسلامی اخوت کی مثال قائم کر دی، اس موقع سے آپ رضی اللہ عنہ کا رشتۂ مواخات حضرت خارجہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ قائم کیا گیا۔ (صدیق اکبر:۲۹)

مسجدِ نبوی کی تعمیر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

مدینہ کے قیام کے بعد سب سے پہلا فیصلہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کیا کہ ایک مسجد بنائی جائے؛ تاکہ تمام مسلمان یکجا عبادتِ خداوندی کا فریضہ انجام دے سکے، اور تعلیم وتربیت اور دیگر امورِ دینیہ کی بجا آوری ہو سکے، اسی مقصد کے پیشِ نظر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین کے ایک حصہ کا انتخاب کیا جو کہ سہل اور سہیل نامی دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی، یہ بچے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی سرپرستی میں تھے، آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معاملہ کے متعلق ان سے دریافت کیا تو انہوں نے یہ

زمین آپ کی نذر کردی؛ آپ نے قبول کرنے سے انکار کردیا اور قیمتاً اسے طلب کیا، حضرت ابو بکرؓ نے ایک خطیر رقم ادا کرکے اس سعادت کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اور آج کل کے مالداروں کی طرح صرف قیمت کے چکانے پر اکتفاء نہیں فرمایا؛ بلکہ مسجد کے کام میں شریک ہوکر اینٹیں ڈھونے کا کام بھی انجام دیا۔

(صدیقِ اکبر از سعید اکبر آبادی: ۲۹، ۳۰)

غزوات میں شرکت

مدینہ پہنچنے کے بعد غزوات کا سلسلہ جاری ہوا تو حضرت ابو بکرؓ تمام لڑائیوں میں شامل ہوئے اور اپنی بہادری اور جانبازی سے بے مثال کارنامے انجام دیے، میدانِ رَزم میں وہ ایک نہایت بہادر سپاہی نظر آتے ہیں اور مشورہ کے وقت ایک اعلیٰ درجہ کے مشیر، ناموافق حالات میں پتھر کی چٹان کی طرح مضبوط اور سازگار حالات میں نہایت حلیم وباوقار نظر آتے، ہم ذیل میں مختصراً غزوات وسرایا میں آپ کا کردار ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں:

غزوۂ بدر: یہ غزوہ حق وباطل کا پہلا اور فیصلہ کن معرکہ تھا، خدا کا برگزیدہ پیغمبر ایک سایہ دار جگہ کے نیچے اپنی محدود جماعت کے ساتھ حق وصداقت کی حمایت میں مصروفِ آہ وزاری تھا، اور وہی مرد جس نے اپنے وعظ سے عثمان بن عفان، ابوعبیدہ بن جراح اور عبدالرحمٰن بن عوف جیسے اکابر صحابہؓ کو حلقہ بگوشِ اسلام بنالیا تھا، نہایت جاں نثاری کے ساتھ تیغ بکف اپنے محبوب کی حفاظت میں مصروف

تھا۔(زرقانی، غزوۂ بدر بحوالہ سیر الصحابہ:۱/ ۳۲)

کفر واسلام کا یہ پہلا معرکہ اس اعتبار سے بڑا صبر طلب اور درد انگیز تھا کہ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا ہوئیں تو اچانک نظر آیا کہ باپ بیٹے کے سامنے نبرد آزما تھا، حضرت ابوبکرؓ کے بڑے بیٹے اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے، وہ بھی فریقِ مخالف میں تھے۔انہوں نے میدانِ کارزار میں اپنے مقابلے کے لیے دعوت دی تو حضرت ابوبکر خود تلوار کھینچ کر مقابلہ کے لیے نکلے؛ لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ گوارا نہ ہوا، فوراً حضرت ابوبکر کو روکا اور فرمایا:"متعنی بنفسک" تم مجھ کو اپنی ذات سے متمتع ہونے دو۔(اسد الغابہ بحوالہ صدیقِ اکبر:۳۵-۳۶)

<u>غزوۂ احد:</u> بدر کی شکست نے قریش کو برافروختہ کر دیا اور انہوں نے اس کا بدلہ لینے کے لیے بڑے پیمانے پر تیاریاں شروع کر دیں، نتیجتاً احد کی وادی میں ایک خونریز جنگ ہوئی، اس جنگ میں مجاہدینِ اسلام اولاً تو غالب رہے؛ لیکن اتفاقی طور پر غلط فہمی کے باعث پانسا پلٹ گیا، اسلامی فوج کے بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے؛ لیکن حضرت ابوبکر آخر وقت تک ثابت قدم رہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سخت مجروح ہونے کے بعد لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہاڑ پر لائے تو حضرت ابوبکرؓ بھی ساتھ تھے۔اختتامِ جنگ کے بعد کفارِ مکہ واپس ہوئے تو ایک جماعت کو ان کے تعاقب میں بھیجا، حضرت ابوبکرؓ بھی اس میں شامل تھے۔(بخاری باب المغازی بحوالہ سیر الصحابہ:۱/ ۳۳)

غزوۂ خندق: یہودیوں کے اکسانے کی وجہ سے ایک بار پھر انتقام کے لیے کفارِ مکہ دس ہزار کا لشکرِ جرّار لے کر مدینہ پر حملہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین ہزار صحابہؓ کے ساتھ شہر سے نکل کر خندق کھودی اور قلعہ بند ہوکر بیٹھ گئے، اس غزوہ میں بھی ایک دستی فوج کی کمان حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سپرد تھی، یہ واقعہ ۵ھ میں پیش آیا۔

غزوۂ بنی مصطلق یا غزوۂ مریسیع: یہ غزوہ ۶ھ میں پیش آیا، حضرت ابو بکرؓ اس معرکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب تھے، مہاجرین کا علَم آپ کے ہی ہاتھ میں تھا، یہ مہم کامیابی کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ یہی وہ غزوہ ہے جس سے واپسی پر واقعۂ افک پیش آیا۔

واقعۂ حدیبیہ: ۶ سنہ ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودہ سو صحابہ کے ساتھ زیارتِ کعبہ وعمرہ کا عزم فرمایا، جب مکہ کے قریب پہنچے تو خبر ملی کہ قریش مزاحم ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ قتل وخونریزی کے لیے نہیں؛ بلکہ زیارتِ کعبہ کے لیے روانہ ہوئے ہیں، جو کوئی اس راہ میں سدِّ راہ ہوگا ہم اس سے لڑیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بسم اللہ چلو، چناں چہ آگے بڑھے اور مقامِ حدیبیہ پر پڑاؤ ڈالا، اور اسی جگہ بیعتِ رضوان ہوئی۔ (بخاری، باب غزوۂ حدیبیہ بحوالہ سیر الصحابہ: ۱/ ۳۵)

غزوۂ خیبر: ۷ھ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی، قموص نامی قلعے پر لشکر کسی کے

لیے، پہلے حضرت ابو بکرؓ سالار تھے؛ لیکن یہ کارنامہ حضرت علیؓ کے لیے مقدر ہو چکا تھا، آخر وہی فاتحِ خیبر بنے۔ (بخاری، باب مناقب علی ابن ابی طالب)

حضرت ابوبکر اسی سال ماہِ شعبان میں بنی کلاب کی سرکوبی کے لیے مامور ہوئے، وہاں سے کامیاب واپس آئے تو بنوفزارہ کی تنبیہ کے لیے ایک جماعت کے ساتھ روانہ کیے گئے، اور بہت سے قیدی اور مالِ غنیمت کے ساتھ واپس آئے۔ (مسلم بحوالہ سیر الصحابہ ۱/۳۶)

فتحِ مکہ: قریشِ مکہ کی عہد شکنی کے باعث ۸ھ میں دس ہزار کا لشکر لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاتحانہ شان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے، حضرت ابو بکرؓ بھی ہمراہ تھے، مکہ پہنچ کر اپنے والد ابو قحافہ کو دربارِ نبوی میں پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سینہ پر ہاتھ پھیر کو نورِ ایمانی سے مشرف فرمایا۔

غزوۂ حنین: فتحِ مکہ کے بعد بنو ہوازن سے جنگ ہوئی، جو ''غزوۂ حنین'' سے مشہور ہے، دشمنوں کی ابتدائی یورش میں سب لوگ بھاگ گئے، بھگدڑ مچ گئی، صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور چند صحابہ آپ کے ہمراہ رہ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ اس میں بھی ثابت قدم اصحاب کی صف میں شامل تھے۔

غزوۂ تبوک: ۹ھ میں افواہ پھیلی کہ قیصرِ روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے اور یہ قحط وتنگ دستی کا زمانہ تھا؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگی تیاریوں کے لیے صحابہؓ کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی، تمام صحابہؓ نے حسبِ حیثیت اس میں

شرکت کی، اس موقع پر بھی حضرت ابوبکرؓ کا امتیاز قائم رہا، گھر کا سارا اثاثہ لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ: تم نے پیچھے کیا چھوڑا ہے؟ عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔

اسی سال سنہ ۹ ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو امارتِ حج کے منصب پر مامور فرمایا۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الوفات کا آغاز

سنہ ۱۰ ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے، حضرت ابوبکرؓ بھی ہم رکاب تھے، واپسی پر آپ نے ایک تقریر فرمائی، حضرت ابوسعید خدریؓ بیان فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے (اپنے ایک) بندہ کو دنیا اور جو اللہ کے پاس ہے دونوں میں سے (ایک) کا اختیار دیا، اس میں سے بندہ نے اس چیز کو پسند کیا جو اللہ کے پاس ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رونے لگے، ہمیں ان کے رونے پر تعجب ہوا کہ رسول اللہ تو ایک بندہ کی خبر دے رہے ہیں کہ اس نے یہ پسند کرلیا (مگر یہ معلوم نہ تھا کہ) یہ پسند کرنے والے خود آپ ہی ہیں، آں حضرت نے بجائے دنیا کے اللہ تعالیٰ کو اور اللہ کی نعمتوں کو قبول فرمالیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہم میں سب سے بڑے (اسرارِ نبوی کے) جاننے والے تھے؛ اس لیے وہ سمجھ گئے کہ اب حضور ہم میں زیادہ دن نہیں رہیں گے۔

ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت البقیع میں تشریف لے گئے اور وہاں جا کر اہلِ بقیع کے لیے دعائے مغفرت فرما کر اپنے دولت خانہ پر واپس تشریف لے آئے، گھر میں داخل ہو کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ وہ دردِ سر سے کراہ رہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے سر میں بھی درد ہے۔ یہی آغازِ مرض تھا جو رفتہ رفتہ بڑھتا گیا، اس حالت میں بھی آپ ہر بیوی کے ہاں باری باری جاتے رہے، جب مرض کی شدت زیادہ ہوگئی تو تمام ازواجِ مطہرات کو جمع فرما کر ایامِ مرض میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں قیام کی اجازت حاصل کی، ضعف اس قدر بڑھ گیا تھا کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لائے تو اس طرح کہ سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور پاؤں فرطِ ضعف سے زمین پر کھینچے جاتے تھے اور دو شخص حضرت فضل بن عباس اور حضرت علی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تھامے ہوئے تھے۔

(البدایہ والنہایہ: ۵ / ۲۲۴ بحوالہ صدیقِ اکبر از سعید احمد اکبر آبادی: ۵۸)

<u>حضرت ابو بکر کو امامتِ صلوٰۃ کا حکم</u>: جب تک آمد و رفت کی طاقت رہی آپ مسجد میں نماز پڑھانے تشریف لاتے رہے؛ لیکن جب حد سے زیادہ معذوری ہوگئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ: ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ نماز پڑھائیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ابو بکر رقیق القلب ہیں، وہ امامت کا بار سنبھال نہ پائیں گے، آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دے دیجیے؛ لیکن آپ نے کوئی عذر قبول نہ کیا، پھر اصرار کے ساتھ حکم دیا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ہی کہو کہ نماز پڑھائیں۔ تعمیلِ حکم کی بجا

آوری میں آپؓ نے تین دن تک نماز پڑھائی، ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ افاقہ محسوس ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجرے کا پردہ اٹھایا، حضرت ابوبکرؓ نماز شروع کر چکے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پُرنور چہرہ ظاہر ہوا تو شمعِ رسالت کے پروانوں کی خوشی کی حد نہ رہی، حضرت ابوبکر پیچھے ہٹنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ سے اشارہ کیا، پھر آپ نے پردہ گرادیا۔ (بخاری:۱/ ۹۴، ایضاً:۶۰)

حافظ عماد الدین نے لکھا ہے کہ یہ آخری نماز۔ جو حضرت ابوبکرؓ نے پڑھائی۔ نمازِ فجر تھی۔ (البدایہ والنہایہ:۵/ ۲۴۴)

صحابۂ کرامؓ کے دل محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شدید علالت کی وجہ سے مرجھائے ہوئے تھے، چہرۂ انور کی ایک جھلک دیکھ کر خوشی سے شگفتہ ہوگئے؛ لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ یہ آخری جلوۂ عام اور آفتابِ لبِ بام تھا۔ (صحیح بخاری ۱/ ۹۴)

وفات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؓ کی استقامت وثابت قدمی

حضرت ابوبکرؓ نماز سے فارغ ہوکر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں آئے، چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قدرے افاقہ تھا؛ اس لیے اجازت لے کر اپنے گھر مدینہ سے باہر مقامِ سنخ چلے گئے، ادھر چاشت کے وقت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رفیقِ اعلیٰ سے جاملے۔ (صدیقِ اکبر:۶۰)

اس روح فرسا خبر کو سنتے ہی مدینہ میں بھگدڑ مچ گئی، اور لوگ حواس باختہ ہوگئے، یہاں تک کہ سیدنا حضرت عثمانؓ پر سکتہ طاری ہوگیا، سیدنا حضرت علیؓ تو

روتے روتے بے ہوش ہو گئے، ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن پر گویا رنج والم کا ایک بھاری پہاڑ ٹوٹ پڑا، ہر صحابی غم اور بے چینی کے سامنے سپر ڈال چکا تھا، دن کی روشنی بھی ان حضرات کے حق میں اب تاریکی بن چکی تھی، سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حالت بھی عجیب سی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کی خبر سنتے ہی ان کے ہوش اڑ گئے اور برہنہ تلوار لیے مسجد میں اِدھر اُدھر چکر لگا رہے تھے، کسی کی کیا مجال کہ ان کے سامنے یہ کہہ سکے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو چکا۔ ادھر جیسے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع پہنچی، اپنی سواری کو ایڑ لگائی اور دیکھتے ہی دیکھتے مسجدِ نبوی میں پہنچ گئے، کیا دیکھتے ہیں کہ صحابۂ کرام کے ایک جمِ غفیر پر اضطراب وقلق طاری تھا، اور ہر ایک کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا امنڈ رہا تھا، کچھ تو اپنے ہوش ہی کھو بیٹھے تھے، جو بیٹھے تھے وہ اٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، اور کچھ تو یہ ماننے کو تیار ہی نہ تھے کہ پیارے آقا کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ حضرت ابوبکر غم واندوہ کے عالَم میں کاشانۂ رسالت پر پہنچے، اور اپنی صاحبزادی سے اجازت طلب کر کے اندر تشریف لے گئے، چہرۂ انور سے چادر ہٹائی، اور دوزانو بیٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی مبارک کا بوسہ لیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں بازؤں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ’’وا نبیاہ، واصفیاہ، واخلیاہ‘‘۔ (شمائلِ ترمذی: ۲۸ بحوالہ امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ: ۱۸۶)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا چشم کشا خطاب

اس کے بعد حجرۂ مبارک سے باہر تشریف لائے اس وقت بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ

لوگوں سے یہی فرما رہے تھے کہ رسول اللہ کی وفات نہیں ہوئی، یہ حالت دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: عمر! بیٹھ جاؤ، سیدنا عمرؓ پر عجیب کیفیت طاری تھی، سنی ان سنی کردی۔ سیدنا ابوبکرؓ حضرت عمر کو چھوڑ کر ایک دوسری جانب بڑھے، صحابۂ کرام نے حضرت ابوبکرؓ کو دیکھا تو وہ ان کی جانب متوجہ ہوئے، تب حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: خاموش بیٹھ جاؤ۔ تمام لوگ بات سننے کے لیے خاموش بیٹھ گئے، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: لوگو! جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں اسے نہایت غور سے سنو، بے شک اللہ عزوجل نے اپنے نبی کو وفات کی خبر اس وقت دے دی تھی جب کہ حضور تم لوگوں کے درمیان زندہ تھے، پھر آپؓ نے یہ آیت پڑھی: وما محمد إلا رسول إلخ (آلِ عمران: ۱۴۴) ترجمہ: ''اور محمد تو ایک رسول ہے، ہو چکے اس سے پہلے بہت رسول، پھر کیا اگر وہ مر گئے یا مارا گیا تو تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں، اور جو کوئی پھر جائے گا الٹے پاؤں تو ہرگز نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ اور اللہ ثواب دے گا شکر گزاروں کو''۔ (ترجمہ شیخ الہند) پھر قرآنِ کریم کی یہ آیت پڑھی: إنک میت وإنھم میتون (الزمر: ۳۰) ''اے محمد آپ کو بھی موت آنی ہے اور بلاشبہ وہ بھی مرنے والے ہیں''۔ (تاریخ ابن کثیر ۵ / ۴۲۴) حضرت ابوبکرؓ کے درد بھرے لہجے میں قرآن کی آیتیں سن کر صحابہؓ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے؛ مگر انہیں ساتھ ہی ایسا لگا کہ آج سے پہلے یہ آیت انہیں معلوم ہی نہیں تھی، جب حضرت ابوبکرؓ نے تلاوت کی تو اب ان کی آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا اور اب ہر شخص کی زبان پر یہ آیت تھی،

روایت میں ہے: ”لقد بصر أبو بکر الناس الھدی وعرفھم الحق الذي علیھم وخر جوا به یتلون“۔ (بخاری شریف:۱/ ۵۱۸ بحوالہ صدیقِ اکبر:۱۹۰)

ادھر سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاؤں لڑکھڑا گئے، ان کی آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کا یقین ہو گیا، اور خود ان کی تقریر کی وجہ سے جو لوگ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بارے میں متذبذب ہو گئے تھے، اب انہیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کا پورا یقین ہو گیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ آیت انہوں نے آج ہی سنی ہے، سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میری حالت بھی کچھ یہی ہوگئی کہ گویا میں نے آج ان آیات کو پڑھا ہو۔ (تفسیر قرطبی: ۴/ ۲۲۳ بحوالہ صدیقِ اکبر:۱۹۱)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خطبے سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: عمر! تو ہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں مجھے پتہ چلا ہے کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دروازے پر یہ کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فوت نہیں ہوئے، پھر فرمایا اور اللہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: إنک میت وإنھم میتون سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: یہ سن کر میرا یہ حال ہوا گویا میں نے کتاب اللہ کی یہ آیت اس سے قبل سنی ہی نہ تھی۔ (روض الانف: ۲/ ۳۷۶)

حضرت امام محمد بن علی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خطبے کے بعد یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایک

عمر عطا فرمائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم میں اتنی دیر تک باقی رکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم اور اس کے حکم کو ظاہر اور واضح فرما دیا اور اس کے پیغام کو ہم تک پہنچا دیا اور اس کی راہ میں جہاد کیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس بلا یا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں ایک سیدھے اور صاف راستہ پر چھوڑا ہے، اب اس کے بعد جو ہلاک وگمراہ ہوگا وہ حق وہدایت کے کھل جانے کے بعد گمراہ ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ جس کا رب ہے اسے جان لینا چاہیے کہ اس کا رب زندہ وسلامت ہے، اس کو کبھی موت نہیں آسکتی، اور جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کرتا تھا اور ان کو معبود سمجھتا تھا اسے بھی معلوم ہو جانا چاہیے کہ اس کا معبود مر چکا ہے۔ (صدیقِ اکبر: ۱۹۴)

عہدِ خلافت

<u>سقیفۂ بنی ساعدہ اور مسئلۂ خلافت</u>: ابھی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز وتکفین کا سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ ادھر انصار سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے اور خلافت کے مسئلہ پر بات چیت ہونے لگی، حضرت سعد بن عبادہ مشہور انصاری صحابی ہیں، غزوات میں انصار کا علَم ان کے ہاتھ میں رہتا تھا، انصار یہ چاہتے تھے کہ حضرت سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنایا جائے اور معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ اگر حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو وقت پر مطلع نہ کیا جاتا تو مہاجرین اور انصار جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں بھائیوں کی طرح رہتے تھے باہم دست وگریباں

ہوجاتے۔ یہ دونوں حضرات جلدی سے سقیفۂ بنوساعدہ میں پہنچے، انصار نے دعویٰ کیا کہ ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا۔ (ظاہر ہے کہ اِس دوعملی کا نتیجہ کیا ہوتا؟ ممکن تھا کہ مسندِ خلافت مستقل طور پر صرف انصار ہی کے سپرد کردی جاتی؛ لیکن دِقت یہ تھی کہ قبائلِ عرب خصوصا قریش ان کے سامنے گردنِ اطاعت خم نہیں کر سکتے تھے، پھر انصار میں بھی دو گروہ تھے اوس وخزرج، جن کے مابین مدت سے منافست چلی آرہی تھی، اس بنا پر اسلام کی وحدتِ اجتماعی کے لیے یہ انتہائی نازک وقت تھا، ان تمام تر مشکلات کو سامنے رکھتے ہوئے) حضرت ابوبکرؓ نے بڑی ہوشیاری سے کام لیا اور انہوں نے یہ کہا کہ: امیر ہماری جماعت سے ہوں اور وزیر تمہاری جماعت سے، یہ سن کر انصار کی طرف سے حضرت خباب بن منذر بول اٹھے، نہیں ایسا نہیں ہوسکتا، ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا، یہ صورتِ حال دیکھ کر حضرت صدیقِ اکبرؓ نے کھڑے ہوکر خطبہ دیا، اول حمد وثنائے الٰہی بیان کی پھر کہا:

واقعہ یہ کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی مخلوق کے پاس رسول اور ان کی امت کے واسطے رہنما بنا کر بھیجا، اس غرض سے کہ بندے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی توحید کا اقرار کریں، اس وقت لوگ متفرق معبودوں کو اس خام خیال سے پوجتے تھے کہ وہ اللہ کے سامنے ان کے شفیع بن کر نفع پہنچائیں گے، ان معبودوں کی حقیقت یہ تھی کہ جو پتھر سے تراش لیے گئے تھے، (پھر آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے) اور وہ لوگ اللہ کے سوا ایسے معبود پوجتے ہیں جو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع، اور

کہتے ہیں کہ ہم ان کی پرستش اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمارا بارگاہِ الٰہی میں قرب بڑھائیں گے۔عربوں کو اپنا آبائی دین چھوڑنا گراں گذرا، اس وقت اللہ نے رسول کی قوم میں سے ’’مہاجرین اولین‘‘ کو یہ خصوصیت بخشی کہ انہوں نے آپ کی تصدیق کی اور ایمان لائے، خدمت کے لیے کمر بستہ ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سخت مصیبتیں جھیلیں، اس حالت میں کہ تمام آدمی ان کو جھٹلاتے تھے اور جانی دشمن ہورہے تھے، وہ باوجود اپنی قلت اور دشمنوں کی سختی کے گھبرائے نہیں: لہٰذا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سب سے اول روئے زمین پر اللہ کی عبادت کی، اللہ اور رسول پر ایمان لائے، اسی کے ساتھ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفقا اور کنبے والے بھی ہیں، اور آپ کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حقدار، سوائے ظالم کے اس معاملہ میں ان سے کوئی شخص نزاع نہیں کرسکتا۔اور اے گروہِ انصار! تمہاری اپنی فضیلت اور اسلامی شرف سے کوئی انکار نہیں کرسکتا، تم کو اللہ نے دین اور رسول کی مدد کے لیے منتخب کیا، اپنے رسول کو ہجرت کے بعد تمہاری پناہ میں بھیجا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اکثر ازواج واصحاب تم میں سے ہیں، لہٰذا مہاجرین اولین کے بعد تمہارا مرتبہ سب سے زیادہ ہے، پس ہم امرا ہوں اور تم وزرا، تم اپنے مشورہ پر ضد واصرار مت کرنا، ہم بغیر تمہارے مشورے کے معاملات طے نہیں کریں گے۔(سیرۃ الصدیق:۱۵۱)

بیعتِ خلافت

ایک طرف حضرت ابوبکر صدیقؓ بیٹھے ہوئے تھے دوسری طرف حضرت

عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بیٹھے تھے، انہوں نے ان میں سے ایک کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: عمر اور ابوعبیدہ یہاں موجود ہیں، ان میں سے جس کے ہاتھ پر تمہارا جی چاہے بیعت کرلو۔

حضرت عمرؓ نے بلند آواز سے سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا: ابوبکر اپنا ہاتھ بڑھایئے، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، حضرت ابوبکرؓ نے ہاتھ بڑھایا اور حضرت عمرؓ نے فوراً ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور ساتھ ہی فرمایا: ابوبکر! آپ کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کی امامت کے لیے اپنا جانشین بنایا تھا، آپ دوسرے تمام لوگوں کے مقابلے میں بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں زیادہ پسندیدہ تھے، آپ مہاجرین میں سب سے افضل ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفیقِ غار ہیں، لہٰذا خلافت کے سب سے زیادہ حقدار آپ ہیں، ہم یہ گراں بار ذمہ داری آپ کے سپرد کرتے ہیں۔

دوسرے نمبر پر حضرت ابوعبیدہؓ نے بیعت کی، ان دونوں کے بعد انصار میں سے خزرج کے سردار حضرت بشیر بن سعدؓ نے بیعت کی، روایات میں ہے کہ اس وقت مجلس میں حضرت اسید بن حضیرؓ بھی موجود تھے، جو قبیلۂ اوس کے رئیس تھے، انہوں نے قبیلہ کے لوگوں کی طرف دیکھ کر کہا: اٹھو اور حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرو، قبیلۂ اوس کے لوگوں نے اپنے رئیس کے کہنے پر آپؓ کے ہاتھ پر فوراً بیعت کرلی، دوسری طرف قبیلۂ خزرج کے لوگوں نے بھی بلا تأمل آپؓ کے

ہاتھ پر بیعت کرلی، پھر تو یہ حال ہوگیا کہ ہر شخص چاہتا تھا کہ پہلے میں آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کروں، صورتِ حال بالکل بدل گئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دور بینی اور بصیرت اور حضرت عمرؓ کی ذہانت کی وجہ سے خلافت کا یہ فتنہ فرو ہوگیا۔ اور سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ بغیر کسی اختلاف اور مخالفت کے اسلامی مملکت کے خلیفۂ اول منتخب ہوگئے۔ (امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین سیدنا صدیقِ اکبرؓ: ۲۰۹)

سقیفۂ بنی ساعدہ کے ہنگامہ سے فارغ ہوکر کاشانۂ اقدس پر حاضر ہوئے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین میں شریک ہوئے، یہاں جائے تدفین کا مسئلہ اٹھا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ: میں نے رسول اللہ سے ایک حدیث سنی ہے جس کو میں نہیں بھولا ہوں، اور وہ یہ ہے: ”ماقبض اللّٰہ نبیا إلا في الموضع الذي یحب أن یدفن فیه“، ترجمہ: اللہ کسی نبی کی روح اسی جگہ قبض کرتا ہے جہاں اس کو دفن کرنا محبوب ہوتا ہے۔ اُس کے بعد آپؓ نے فرمایا: ”ادفنوہ في موضع فراشه“. تم لوگ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی اُسی خوابگاہ میں دفن کرو۔

(شمائلِ ترمذی بحوالہ صدیقِ اکبرؓ: ٦٥)

بیعتِ عامہ

سقیفۂ بنی ساعدہ میں تو چند لوگوں نے بیعت کی تھی، آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے دوسرے دن یعنی بروز سہ شنبہ ۱۳ / ربیع الاول ۱۱ھ، مطابق: ۲۸ / مئی ٦۳۲ء مسجدِ نبوی میں بیعتِ عامہ کا نظم کیا گیا، سب مسلمان جمع ہوئے، پہلے

حضرت عمر فاروقؓ نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا، فرمایا: میں امید کرتا تھا کہ رسول اللہ ہم لوگوں کے بعد تک زندہ رہیں گے؛ لیکن وہ وفات پا گئے، خیر! اللہ نے تمہارے سامنے ایک ایسا نور رکھ دیا ہے جس سے تم وہی ہدایت حاصل کر سکتے ہو جو رسول اللہ سے حاصل کرتے تھے، بلا شبہ ابو بکر، رسول اللہ کے ساتھی اور غار کے رفیق ہیں، لوگوں کے معاملات کے لیے وہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ بہتر ہیں، پس اُٹھیے اور بیعت کر لیجیے۔ حضرت عمرؓ تقریر سے فارغ ہوئے تو حضرت ابو بکرؓ خاموش بیٹھے تھے، حضرت عمرؓ بولے: آپ منبر پر تشریف لائیے؛ لیکن آپؓ بیٹھے رہے، آخر اصرار کے بعد آپؓ منبر پر چڑھے اور مسلمانوں سے بیعت لی۔

(صحیح بخاری: ۲ / ۱۰۷۳ صدیقِ اکبر از سعید احمد اکبر آبادی: ۶۷)

خلافت کا پہلا خطبہ

خلافت کا بارِ گراں اُٹھانے کے بعد اور بیعتِ عامہ سے فارغ ہونے کے بعد آپؓ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے اللہ کی حمد وثنا اور سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام کے بعد ارشاد فرمایا: لوگو! میں تمہارے امور کا حاکم بنایا گیا ہوں اور میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں، قرآنِ حکیم نازل ہوا اور سید الکونین نے سنتیں قائم کیں، ہمیں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھایا اور ہم نے سیکھا، جان لو! بہترین دانائی تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کا خوف ہے اور سب سے بڑی بیوقوفی اور حماقت فسق وفجور میں مبتلا ہونا ہے۔ بیشک تم میں سے قوی ترین شخص میرے

نزدیک کمزور اور ضعیف ہے جب تک اس کے لیے اس کا حق حاصل نہ کرلوں، اور تم میں سے کمزور ترین شخص میرے نزدیک قوی اور طاقتور ہے جب تک کہ اُس کا حق نہ لے دوں، اے لوگو! میں رسول اللہ کی راہ پر چلنے والا ہوں، نئ راہ نکالنے والا نہیں ہوں، اگر میں اچھے کام کروں تو میری مدد کرو، اور اگر میں کج روی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کردو۔

یہ تھا وہ خطبہ جو سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے خلیفہ ہونے کے ساتھ مسجدِ نبوی میں دیا اور اپنی علمی پختگی کے باعث اسلامی حکومت کے منشور اور آئین کو چند جملوں میں ایسا بیان کیا کہ دنیا اتنی ترقی کرنے کے باوجود بھی ایسا عظیم الشان منشور پیش نہیں کرسکتی۔ (صدیقِ اکبر: ۲۳۰)

جیشِ اسامہؓ کی روانگی

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اندرونی اور بیرونی فتنوں نے مملکتِ اسلامی کو گھیر لیا تھا، مکہ و مدینہ اور پورے عرب میں یکا یک ارتداد و بغاوت کا طوفان اس زور وشور سے اُٹھا کہ اسلامی عمارت کے در و دیوار ہل گئے؛ لیکن اس وقت سب سے اہم اور سب سے پہلا معاملہ لشکرِ اسامہ کی روانگی کا تھا جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسامہ ابنِ زیدؓ کی زیرِ قیادت اپنی زندگی میں ترتیب دیا تھا، جب یہ لشکر مقامِ جرف میں پہنچا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سخت علیل ہونے کی خبر پہنچی تو وہیں ٹھہر گیا، اب سوال یہ تھا کہ اس لشکر کو اُس مہم پر بھیجا جائے یا اس کو مرتدین کی

سرکوبی کے لیے روک لیا جائے؟ مدینۂ طیبہ اور اس کے گرد و نواح میں فتنوں کی وجہ سے جو صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی بیشتر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس سے پریشان تھے، اُن کا یہ خیال تھا کہ اِس لشکر کو روک لیا جائے اور اس کے ذریعہ فتنوں کو مٹایا جائے؛ لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اِس بات کو ماننے کے لیے بالکل تیار نہ تھے، اس معاملے میں دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم آپ رضی اللہ عنہ سے اختلاف رکھتے تھے؛ لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پہاڑ کی طرح اپنی بات پر ڈٹے ہوئے تھے۔ امام طبری رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب ہو کر فرمایا: قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تمام مدینہ خالی ہو جائے، میں تنہا رہ جاؤں، درندے اور کتے مجھے کھانا شروع کر دیں تب بھی اسامہ اور اس کے لشکر کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق روانہ کروں گا۔ (طبری:۲/۶۶۱، ابن عساکر:۱/۱۱۷)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب یقین ہو گیا کہ خلیفۂ اول کسی صورت میں بھی جیشِ اسامہ کو روکنے کے لیے تیار نہیں، تو اب آپ نے انصار کی نمائندگی کرتے ہوئے خلیفۂ رسول کی خدمت میں عرض کیا کہ اس لشکر میں چوں کہ سن رسیدہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم موجود ہیں اور اُسامہ نوجوان ہیں؛ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ قیادت کو تبدیل کر دیا جائے اُسامہ کے بجائے کسی سن رسیدہ اور تجربہ کار صحابی رضی اللہ عنہ کو امیرِ لشکر بنایا جائے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات سنی تو باوجود اپنی طبیعت کی نرمی کے غصّہ میں قابو سے باہر ہو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ”استعمله رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

وتأمرني أن اعزله"۔ (تاریخِ طبری: ۴/۴۶) اے خطاب کے بیٹے! اسامہ کو رسول اللہ نے لشکر کا قائد مقرر کیا ہے میں نے نہیں؛ لیکن تم مجھے کہتے ہو کہ میں اس کو لشکر کی قیادت سے علاحدہ کردوں، بخدا ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔

الغرض حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کے تمام تر اعتراضات کا دفعیہ کرتے ہوئے یہ اعلان کردیا کہ جیشِ اسامہ کے لیے جو حضرات نامزد کیے گئے تھے وہ تمام مقامِ جرف میں پہنچ جائیں، جب لوگ وہاں اکٹھے ہوگئے تو آپؓ بھی وہاں پہنچ گئے، اور آپؓ نے مختصراً خطبہ دیا، فرمایا: لوگو! میں تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں، مجھے کیا پتہ تھا کہ تم لوگ مجھ پر بوجھ ڈال دوگے جس کے اٹھانے کی طاقت صرف سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تھی؛ کیوں کہ میں ان کے مقابلہ میں بہت کمزور ہوں، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام جہانوں کی مخلوق میں سے منتخب فرمایا اور ہر قسم کی آفتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محفوظ فرمایا، مجھ میں کوئی ہمت اور طاقت نہیں ہے، میرا کام صرف اور صرف سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور ان کے اقوال وافعال کی تابعداری کرنا ہے، میں تم لوگوں کے سامنے کوئی نئی شے پیش نہیں کروں گا، اگر میں سیدھا رہوں تو میری اطاعت کرو اور اگر میں ٹیڑھا ہوجاؤں تو مجھے سیدھا کردو۔ (صدیقِ اکبرؓ: ۲۴۶) غرض خلیفۂ اول نے خطرات ومشکلات کے باوجود حضرت اسامہؓ کو روانگی کا حکم دیا اور خود دور تک پیادہ پا لشکر کے ساتھ چلے اور ان کو نہایت زرّیں ہدایات فرمائیں:

اے مجاہدینِ اسلام! تم اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کے لیے شام جیسے دور دراز علاقہ میں جارہے ہو، اس موقع پر میں تمہیں چند باتیں کہنا چاہتا ہوں، ان کو غور سے سنو اور اس پر ضرور عمل کرو:

۱۔خیانت نہ کرنا۔

۲۔بدعہدی نہ کرنا۔

۳۔چوری نہ کرنا۔

۴۔جنگ میں کسی کا مثلہ نہ کرنا (یعنی ان کے اعضا نہ کاٹنا)۔

۵۔بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔

۶۔کھجور کے اور دوسرے پھلدار درخت نہ کاٹنا۔

۷۔بھیڑ، بکری، گائے یا اونٹ کو کھانے کے سوا ذبح نہ کرنا۔

۸۔راہبوں اور تارک الدنیا لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دینا، اور ان سے کوئی تعرض نہ کرنا۔

۹۔تم ایسے لوگوں کے پاس جاؤ گے جو تمہارے لیے مختلف اقسام کے کھانے برتنوں میں ڈال کر پیش کریں گے، انہیں ''بسم اللہ'' پڑھ کر شروع کرنا۔

۱۰۔تم ایسے لوگوں سے بھی ملو گے جنہوں نے سر کا درمیانی حصہ تو منڈوایا ہوگا؛ لیکن سر کے چاروں طرف بڑی بڑی لٹیں لٹکی ہوں گی انہیں قتل نہ کرنا۔

۱۱۔اپنی حفاظت اللہ کے نام سے کرنا۔

اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو شکست سے اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ آمین

اس کے بعد خاص طور پر حضرت اسامہ بن زیدؓ کو نصیحت فرمائی کہ اللہ کے رسول نے تمہیں جو امور انجام دینے کے لیے ہدایت فرمائی تھی ان کو پوری توجہ سے سرانجام دینا۔ (صدیقِ اکبر: ۲۴۷)

چوں کہ حضرت اسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے اور جانشینِ رسول پیادہ پا گھوڑے کے ساتھ چل رہے تھے، اس لیے انہوں نے تعظیماً عرض کیا کہ: اے جانشینِ رسول! خدا کی قسم آپ گھوڑے پر سوار ہو لیں؛ ورنہ میں بھی اترتا ہوں، بولے: اس میں کیا مضائقہ ہے، اگر میں تھوڑی دیر تک راہِ خدا میں اپنا پاؤں غبار آلود کرلوں! غازی کے ہر قدم کے عوض سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ (طبری: ۱۸۵)

حضرت اسامہؓ کا لشکر رخصت ہو کر حدودِ شام میں پہنچا اور اپنا مقصد پورا کر کے نہایت کامیابی کے ساتھ چالیس دن میں واپس آیا، حضرت ابو بکرؓ نے صحابۂ کرامؓ کے ساتھ مدینہ سے باہر نکل کر نہایت مسرت سے ان کا استقبال فرمایا۔ (سیر الصحابہ: ۱/ ۴۴)

مدعیانِ نبوت، مرتدین اور باغیوں کی سرکوبی

جزیرہ نما عرب میں حضرت صدیقِ اکبر کو جن لوگوں سے مقابلہ درپیش تھا وہ دو گروہ تھے، ایک وہ جو نجد و یمن اور حضرموت وغیرہ میں جھوٹے مدعیانِ نبوت کے ساتھ متفق ہو گئے تھے، اور دوسرے وہ قبائل تھے جنہوں نے زکوٰۃ کا انکار کر

دیا تھا، اول الذکر کے ساتھ قتال کرنے میں سب صحابہؓ متفق تھے؛ لیکن دوسرے کے ساتھ قتال کرنے میں عام صحابہ کو تردّد تھا؛ لیکن رائے صدیقی کے بعد تمام صحابہؓ متفق ہو گئے۔

سردارانِ قبائل کی جانب قاصدوں کے ذریعہ خطوط وفرامین روانہ کرنے کے بعد آپ نے گیارہ علَم تیار کیے اور گیارہ سرداروں کو منتخب فرمایا، اور ہر ایک سردار کو ایک علَم اور دستۂ فوج دے کر یہ حکم فرمایا کہ مکہ، طائف وغیرہ مقامات میں جہاں جو قبائل اسلام پر قائم ہیں ان میں سے کچھ لوگوں کو گھر بار کی حفاظت کے لیے چھوڑ دے، اور کچھ لوگوں کو لشکر میں شریک کرتے جائیں، نیز ہر سردار کو ایک خط بھی دیا جس کا مضمون ایک ہی تھا، یہ تمام سردار جمادی الاول ۱۱ھ میں مدینۂ منورہ سے روانہ ہو کر اور اپنے اپنے علاقوں کی طرف جا کر مصروفِ عمل ہوئے۔

پہلا علَم خالد بن ولید کو دیا اور یہ حکم دیا کہ تم طلیحہ اسدی پر چڑھائی کرو اور اس مہم سے فارغ ہو کر مقامِ بطاح کی طرف مالک بن نویرہ پر حملہ کرو، یہ وہ شخص تھا جو عہدِ نبوی میں مسلمان تھا؛ لیکن وفاتِ نبوی پر اس نے مسرت کا اظہار کیا تھا اور سجاح مدعیٔ نبوت سے مصالحت کر لی تھی۔

دوسرا علَم عکرمہؓ بن ابی جہل کو دیا گیا اور یہ حکم ہوا کہ تم یمامہ کی طرف مسیلمہ کذاب پر حملہ کرو۔

تیسرا علَم شرحبیل بن حسنہ کو سپرد کر کے یہ حکم دیا کہ عکرمہ کی امداد کرو اور

یمامہ سے فارغ ہو کر حضر موت کی طرف بنو کندہ اور بنو قضاعہ پر حملہ آور ہو۔

چوتھا علَم خالد بن سعید کو ملا اور حکم ہوا کہ ملکِ شام کی سرحد پر پہنچ کر اس طرف کے قبائل کو درست کرو۔

پانچواں علَم حضرت عمرو بن عاص کو سپرد کر کے حکم دیا کہ مرتدینِ بنو قضاۃ کی طرف جاؤ۔

چھٹا علَم حذیفہ بن محسن کو دے کر ملکِ عمان کی طرف جانے کا حکم دیا۔

ساتواں علَم عرفجہ بن ہرثمہ کو سپرد کر کے اہلِ مہرہ کی طرف جانے کا حکم دیا، حذیفہ اور عرفجہ کے لیے یہ شرط تھی کہ دونوں ساتھ ساتھ رہیں، عمان میں حذیفہ اور مہرہ کی طرف عرفجہ امیر ہوں گے۔

آٹھواں علَم طریفہ بن عامر کو دیا گیا اور حکم ہوا کہ بنو سلیم اور ان کے شریکِ حال بنو ہوازن کی طرف جاؤ۔

نواں علَم سوید بن مقرن کو دیا گیا اور ان کو حکم ملا کہ یمن کی جانب جاؤ۔

دسواں علَم علاء بن الحضرمی کو دیا گیا اور حکم ملا کہ بحرین کی طرف جاؤ۔

گیارہواں علَم مہاجر بن ابی امیہ کو دیا گیا کہ تم صنعاء کی طرف جاؤ۔

یہ تمام سردار اپنے اپنے دستوں سمیت مقرر شدہ علاقوں پر حملہ آور ہوئے اور کامیابی حاصل کی۔

الغرض سنہ ۱۱ھ کے اختتام سے قبل ایک سال سے کم مدت میں صدیقِ

اکبر فتنۂ ارتداد کے مقابلے میں پورے طور پر غالب آگئے، اور جزیرہ نما عرب مرتدین ومشرکین سے بالکل پاک وصاف ہوگیا، اتنی قلیل مدت میں اتنے بڑے فتنے کو فرو کرنا اور اس پر قابو پالینا دبستانِ محمدی کے تربیت یافتہ حضرت صدیقِ اکبرؓ ہی کا کام تھا، جس کام کو سکندرِ یونانی اور جولیس، سیزر روبی مل کر بھی پورا کرنے کی جرأت وہمت نہیں کر سکتے تھے، اس کو خیر البشر کے شاگردِ رشید اور خاتم النبیین کے خلیفۂ اول ٹھیک اپنے مرتبہ کے موافق ہمت واستقلال کے ساتھ چند مہینے میں بحسن وخوبی پورا کر کے دکھا گئے۔

اس میں شک نہیں کہ لشکرِ صدیق میں خالد، عکرمہ، شرجیل اور حذیفہ جیسے بے نظیر مردانِ صف شکن موجود تھے؛ لیکن ان کی حیثیت آپؓ کے سامنے شطرنج کے مہروں کی طرح تھیں جس کو آپ کی انگشتِ تدبیر جس جگہ مناسب سمجھتی اٹھا کر رکھ دیتی تھی، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ خلیفۃ الرسول نے مدینہ میں بیٹھ کر شام ونجد سے مسقط وحضر موت تک اور خلیج وفارس سے یمن وعدن تک تمام برِ اعظم کو تنہا اپنی تدبیر سے چند مہینے کے اندر خس وخاشاک سے پاک وصاف کر دیا، اس فتنے کی ابتدا میں حضرت صدیقِ اکبرؓ کے سوا کوئی متنفس ایسا نہیں تھا جو اس کی انتہا کو دیکھ سکتا، صرف آپ کو دور بینی کا وہ ملکہ حاصل تھا جس کے باعث نہ لشکرِ اسامہ کی روانگی کو ملتوی کرنا مناسب سمجھا نہ مسجدِ نبوی میں فاروقِ اعظم سے مرعوب ومتاثر ہوئے اور نہ منکرینِ زکوٰۃ کے مطالبات کو کوئی وقعت دی اور نہ ہی مدعیانِ نبوت کے ساتھ

نرمی روا رکھی۔

فتوحات: بعثتِ نبوی کے وقت دنیا میں دو سلطنتیں سب سے بڑی تھیں اور پوری دنیا پر چھائی ہوئی تھیں، ایک روم کی سلطنت اور دوسری ایرانی شہنشاہی، آدھی دنیا پر رومی تمدن اور آدھی پر ایرانی تمدن چھایا ہوا تھا، جزیرہ نما عرب میں۔ جو کہ بالکل کسمپرسی اور تاریکی کے عالم میں سانسیں لے رہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور اور اسلام کے ذریعہ ایک نئی سلطنت اور نئے تمدن کی ابتدا ہوئی اور آگے جا کر اسی عربی اور اسلامی سلطنت کے مقابلے میں رومی و ایرانی سلطنتیں ہوا اور فنا ہو گئیں، اور ساری دنیا اسلامی حکومت وتمدن کے زیرِ سایہ زندگی بسر کرنے لگی۔

عراق وشام پر لشکر کشی

وفاتِ نبوی کے بعد عرب میں فتنۂ ارتداد اور بدامنی کی خبر کو ان دونوں سلطنتوں نے اطمینان ومسرت کے ساتھ سنا اور ان خبروں نے دونوں حکومتوں کو اس بات پر بھی ابھارا کہ ملکِ عرب کے پامال کرنے اور اس کی طرف سے آئندہ خطرات کے مٹا دینے کا یہ بہترین وقت ہے، چناں چہ ایک طرف ہرقل کی فوجیں شام میں، اور دوسری طرف ایرانی فوجیں عراق میں جمع ہونے لگیں، یہ آپ رضی اللہ عنہ کی مآل اندیشی، موقع شناسی اور کامل مستعدی ہی کا نتیجہ تھا جس نے فتنۂ ارتداد اور اندرونی بدامنی کو جلد سے جلد مٹایا اور اس کے بعد ایک دن بھی ضائع کیے بغیر فوراً رومیوں اور ایرانیوں کے روکنے اور مدافعت کرنے کے لیے تمام ملکِ عرب کو

آمادہ کردیا، اگر آپ رضی اللہ عنہ فتنۂ ارتداد کو مٹانے پر قادر نہ ہوتے یا مٹانے میں چند روز اور نکال دیتے یا مٹ جانے کے بعد چند روز تساہل اور تامل میں گذار دیتے تو اسلام کا دارالخلافہ مدینہ منورہ رومیوں یا ایرانیوں کے محاصرہ میں آچکا ہوتا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے جب لشکرِ اسامہ کو شام کی جانب روانہ کیا تھا تو وہ ایرانیوں سے غافل نہیں تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے ان خطرناک حالات میں جب کہ مدینہ منورہ کی حفاظت اور عرب میں فتنۂ ارتداد کو مٹانے کے لیے افواج کی بے حد ضرورت تھی، مذکورہ گیارہ لشکروں کی روانگی سے قبل ایک چھوٹا سا دستہ حضرت مثنیٰ بن حارثہ شیبانی کی سر کردگی میں بجانبِ عراق روانہ کر دیا تھا اس حکم کے ساتھ کہ کسی بھی جگہ جم کر لڑائی نہ کریں؛ بلکہ وقتاً فوقتاً چھاپے مارتے رہیں، اور عراقی رؤسا کو ڈراتے رہیں؛ تا کہ ارتداد کے ختم ہونے تک وہ ملکِ عرب پر حملہ آور نہ ہوں اور مسلمانوں کی پریشانیوں اور مصیبتوں سے پورے طور پر واقف نہ ہوسکیں اور یہی مقصد آپ نے رومیوں کی طرف سے اطمینان کے لیے لشکرِ اسامہ سے بھی حاصل کیا تھا۔

جب نجد و یمامہ کے حالات قابو میں آگئے تو آپ نے نجد میں مقیم عیاض بن غنم کو بذریعۂ خط یہ امر فرمایا کہ تم غیر مرتد مسلمانوں کو لے کر راستے میں دیگر مسلم قبائل کو شریک کرتے ہوئے بجانبِ عراق روانہ ہو جاؤ۔ اثنائے راہ خالد بن ولید آکر مل گئے اور دونوں نے مل کر ذات السلاسل، قارن، ولجہ، لیس اور حیرہ وغیرہ کی جنگیں لڑیں، اس کے بعد خالد بن ولید نے مقامِ حیرہ کو جائے قیام اور ہیڈ کوارٹر بنا

کر ارد گرد کے مقامات کا اہتمام وانصرام کیا اور لڑتے لڑتے دریائے فرات کے پاس واقع مقام فراض سرحدِ شام تک پہنچ گئے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ ۱۲ھ میں مقامِ حیرہ میں داخل ہوئے تھے، اور ۱۳ھ تک رہے، اس قلیل مدت میں ان کو قدم قدم پر دشمنوں سے مقابلہ پیش آیا اور بیسیوں خونریز لڑائیاں لڑیں، ہر لڑائی میں ان کی فوج کم اور دشمن کی فوج کئی کئی گنا ہوتی تھی، مگر انہیں ہر مرتبہ فتح نصیب ہوئی، کسی موقع پر بھی ان کو ہزیمت وشکست کا سامنا نہیں کرنا پڑا، اور مغرور ایرانیوں کے دلوں پر عربوں کی قوتِ بازو اور عزم واستقلال کی دھاک بیٹھ گئی۔

خالد بن ولید کی بے نظیر شجاعت اور قابلیتِ سپہ سالاری پر درود وسلام بھیجتے ہیں؛ لیکن ان تمام خالدی کارناموں کی روح: انتخابِ صدیقی، تربیتِ صدیقی اور ہدایاتِ صدیقی ہے۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ مدینۂ منورہ سے لشکرِ اسلام کے ساتھ برابر سلسلۂ خط وکتابت جاری رکھے ہوئے تھے اور ایک ایک واقعہ کی خبر آپ تک بہت جلد پہنچ جاتی تھی۔

خالد بن ولید عراق کے علاقوں کو فتح کرتے کرتے دریائے فرات کے پاس مقام فراض سرحد شام تک پہنچ چکے تھے، ہرقل شاہِ روم نے اسلامی لشکر کے حدودِ شام میں موجود ہونے کی خبریں سن کر اول سرحدی قبائل اور رؤسا کو مقابلے کے لیے ابھارا، یہ چھوٹے چھوٹے رئیس اور عرب مستنصرہ کے قبائل اسلامی لشکر

کے مقابلے میں مغلوب ہوتے گئے تو قیصرِ روم ہرقل نے ہامان نامی رومی کو لشکرِ عظیم کے ساتھ آگے بڑھایا؛ لیکن اس کو شکستِ فاش نصیب ہوئی، اس شکست کا حال سن کر ہرقل خود سلطنتِ قسطنطنیہ سے روانہ ہو کر ملکِ شام میں آیا اور تمام افواج کو جمع کیا اور لڑائی کا اہتمام براہِ راست اپنے ہاتھ میں لیا۔ خالد بن ولید نے بذریعۂ خط تمام حالات سے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو آگاہ کیا، اتفاقاً جس روز حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا یہ خط دربارِ خلافت میں پہنچا، اسی روز حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ اپنی مہم سے فارغ ہو کر مدینہ پہنچے تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو فوراً حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ کر دیا اور ملک کے ہر مقام سے لڑائی کے لیے آمادہ اور جہاد کے لیے مدینہ میں جمع شدہ قبائل کے چار حصے کیے اور چار علَم بنائے: ایک علَم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو دے کر فلسطین کی طرف، دوسرا حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو دے کر دمشق کی طرف، تیسرا علَم حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو دے کر حمص کی جانب اور چوتھا اسی عرصے میں عراق سے تشریف لائے ہوئے حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو دے کر اردن کی جانب حملہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ چاروں لشکر ۱۳ سنہ ھ میں چار مختلف راستوں سے شام کی طرف روانہ ہوئے۔

جب یہ چاروں لشکر حدودِ شام میں داخل ہوئے تو ہرقل کو اطلاع ملی کہ عربوں نے چار حصوں میں منقسم ہو کر چار مقامات پر حملہ آوری کا قصد کیا ہے، تو اس نے بھی چار سپہ سالاروں کو چار عظیم الشان لشکر دے کر الگ الگ روانہ کیا،

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے مقابلے کے واسطے اپنے حقیقی بھائی تذارق کو نوے ہزار فوج دے کر فلسطین کی طرف روانہ کیا، جرجہ بن نوذر کو چالیس ہزار فوج دے کر یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے مقابل دمشق کی طرف بھیجا، راقص نامی سردار کو پچاس ہزار فوج کے ساتھ شرحبیل بن حسنہ کے مقابلے پر اردن کی جانب روانہ کیا اور قیقار بن نسطور کو ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لیے حمص کی طرف روانہ کیا۔

جب مسلمانوں کو ہرقل کی اس تیاری کی اطلاع ملی کہ اس نے ہر لشکر کے مقابلہ پر اس سے آٹھ گنا رومی فوج جو ہر طرح کیل کانٹے سے لیس ہے بھیجی ہے، تو ایک طرف امیر المؤمنین کو اطلاع دی اور دوسری طرف انہوں نے مناسب سمجھا کہ ہم کو ایک جگہ متحد ہو کر مقابلہ کرنا چاہیے، اتفاق کی بات کہ ادھر چاروں سردار اپنی اپنی فوجوں کو لیے یرموک میں جمع ہوئے، ادھر حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے رومی لشکر کی کثرت اور تیاریوں کا حال سن کر ایک طرف تو چاروں سرداروں کو جمع ہو کر مقابلہ کرنے کا حکم دیا اور دوسری طرف حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ تم حیرہ میں اپنی جگہ مثنیٰ بن حارثہ کو وہاں کا ذمہ دار افسر بناؤ اور نصف فوج مثنیٰ کے پاس چھوڑ و اور نصف خود لے کر شام کی طرف چلے جاؤ، اور وہاں کی تمام افواجِ اسلام کا اہتمام بحیثیتِ سپہ سالارِ اعظم اپنے ہاتھ میں لے لو۔

راستہ میں خالد بن ولید کو کوئی دشمن قبائل اور رئیسوں کی فوجوں نے روکا، ہر

جگہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ لڑتے اور دشمنوں کو مارتے، بھگاتے اور سامنے سے ہٹاتے ہوئے ماہ ربیع الاول ۱۳ھ میں یرموک پہنچ گئے اور اپنے چالیس یا چھتیس ہزار کے لشکر سے اپنے سے آٹھ گنا رومیوں کے لشکر کو ایسی شکستِ فاش دی ہے کہ دنیا آج تک انگشتِ بدنداں ہے، ہرقل اپنی کئی لاکھ آہن پوش لشکر کا مٹھی بھر مسلمانوں کے ہاتھ سے تہس نہس ہونا سن کر ششدر رہ گیا اور فوراً حمص سے روانہ ہو کر کسی دوسرے مقام کی طرف چل دیا، اس طرح صدیقِ اکبر نے اپنے سوا دو سالہ عہدِ خلافت میں اسلامی حکومت کو ملکِ عرب میں مستقل اور پائدار بنا کر ایران وروم کی فوجوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ (ملخص از تاریخِ اسلام نجیب آبادی: از ۲۲۹-۲۶۰)

استخلافِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور وفات حسرت آیات

آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ابھی صرف دو برس ہوئے تھے جس میں آپ رضی اللہ عنہ نے مدعیانِ نبوت، مرتدین اور منکرینِ زکوٰۃ کی سرکوبی کے علاوہ بھی بہت سارے کارہائے نمایاں انجام دیے اور ابھی تو فتوحات کی ابتدا ہی ہوئی تھی کہ پیامِ اجل آ پہنچا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ایک دن جب کہ موسم نہایت سرد وخنک تھا، آپ نے غسل فرمایا، غسل کے بعد بخار آ گیا اور مسلسل پندرہ دن تک شدت کے ساتھ قائم رہا، اس درمیان مسجد آنے جانے سے بھی معذور ہو گئے، چناں چہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو امامت کے فرائض انجام دینے کا حکم دیا، مرض روز بروز بڑھتا ہی جا رہا تھا، جب زندگی سے آپ مایوس ہو گئے تو صحابۂ کرام کے مشورہ سے

آپ نے حضرت عمرؓ کو جانشین منتخب فرمایا اور پھر انہیں چند ہدایات بھی کیں، اس کے بعد آپ نے پوچھا: آج کونسا دن ہے؟ لوگوں نے جواب دیا دوشنبہ، پھر پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال کس روز ہوا تھا؟ کہا گیا کہ دوشنبہ کے روز، تو پھر فرمایا کہ: میری آرزو ہے کہ آج ہی رات اس عالَمِ فانی سے رحلت کر جاؤں۔ چناں چہ یہ آخری آرزو بھی پوری ہوگئی اور دوشنبہ کا دن ختم کر کے منگل کی رات تریسٹھ برس کی عمر میں اواخر جمادی الاول ۱۳؁ھ کو رہ گزینِ عالَم جاودانی ہوگئے، انا للہ و إنا إلیہ راجعون۔

وصیت کے مطابق آپ کی زوجۂ محترمہ حضرت اسماء بنتِ عمیسؓ نے غسل دیا، حضرت عمرؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ حضرت عثمانؓ حضرت طلحہؓ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے قبر میں اتارا اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پہلو میں مدفون ہو کر دائمی رفاقت رفاقت کا شرف پا گئے۔

(سیر الصحابہ ۱/۵۶-۵۷)

ازواج واولاد

آپؓ نے متعدد اوقات میں متعدد شادیاں کیں:

① اسلام سے قبل آپ نے بنی عامر بن لوی کے خاندان میں قتیلہ بنت عبدالعزیٰ سے شادی کی، ان سے ایک صاحبزادے عبداللہ اور ایک صاحبزادی اسماء پیدا ہوئی، اسماء کی شادی حضرت زبیر بن عوام سے ہوئی، حضرت عبداللہ بن

زبیر انہی کے فرزند تھے۔

⓶اسی زمانہ میں آپ نے دوسری شادی بنی کنانہ کے خاندان میں امِ رومان بنت عامر سے کی، ان سے ایک صاحبزادے عبدالرحمٰن اور ایک صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہؓ پیدا ہوئیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئی۔

⓷اسلام کے بعد آپ نے خاندان خشعم میں حضرت اسماء بنتِ عمیس سے شادی کی، یہ حضرت جعفر بن ابی طالب کی بیوی تھیں، ان سے ایک صاحبزادے محمد پیدا ہوئے۔

⓸اسی زمانے میں آپ نے خاندان خزرج میں حبیبہ بنت خارجہ سے شادی کی، ان سے حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد ایک صاحبزادی امِ کلثوم پیدا ہوئیں۔(تاریخِ ملت ۱/۸۸)

بابِ دوم

اوصاف وکمالات

اللہ رب العزت نے آپؓ کو بے شمار نمایاں اوصاف وکمالات سے نوازا تھا، آپؓ نہ صرف یہ کہ حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے بعد ان اوصاف سے آراستہ ہوئے تھے؛ بلکہ قبولِ اسلام سے پہلے ہی اوصافِ حمیدہ کے حامل تھے، اس میں اسلامی اخلاق واوصاف نے چار چاند لگادیے، آپؓ کے اوصاف وکمالات میں

سے چند کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

تقویٰ اور خوفِ خدا: تقویٰ آپ ؓ کی کتابِ حیات کا روشن وتابناک باب ہے، زندگی کے ہر موڑ پر آپ نے اس عظیم الشان وصف کا دامن تھامے رکھا، زندگی کی آخری سانس تک "لا يبلغ العبد أن يكون من المتقين حتى يدع ما لا بأس به حذر ألما به بأس". (جامع الترمذی) بندہ اس درجے کا نہیں پہنچتا کہ وہ متقین میں شامل ہوجائے یہاں تک کہ وہ ان چیزوں کو چھوڑ دے جن میں شبہ ہو ان چیزوں سے بچنے کے لیے جو ممنوع ہیں، کے حقیقی مصداق بنے رہے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ ؓ کے غلام نے کوئی چیز لاکر پیش کی، شدتِ بھوک کی وجہ سے بغیر تحقیق کے آپ اُسے تناول فرمانے لگے، غلام نے کہا کہ: آپ کو معلوم بھی ہے یہ چیز کیسے حاصل ہوئی؟ فرمایا: بتلاؤ کیسے حاصل ہوئی؟ اس نے کہا: میں نے زمانۂ جاہلیت میں ایک شخص کے لیے کہانت کی تھی، جس میں اس کو دھوکا دیا تھا، آج اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے اس کہانت کا بدلہ دیا، بس اتنا سننا ہی تھا کہ آپ بے چین ہو گئے اور فوراً حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دی۔ اور فرمایا کہ: اگر اس کھانے کو نکالنے میں جان بھی نکل جاتی تب بھی اس کھانے کو نکال کر رہتا۔ (صحیح بخاری: ۱/ ۵۴۲ بحوالہ حیاۃ الصحابہ: ۳/۲۴۱-۲۴۲)

کبھی کسی درخت کو دیکھ کر فرماتے کاش میں درخت ہوتا کہ آخرت کے جھگڑوں سے چھوٹ جاتا، کبھی کسی چڑیا کو دیکھ کر فرماتے: پرندو! تم کتنے اچھے ہو کہ

چرتے پھرتے ہو، درخت کے سایے میں بیٹھتے ہو اور قیامت کے روز تمہارا کوئی حساب نہیں، کاش! ابوبکر بھی تمہاری طرح ہوتا۔ (کنز العمال ۶/ ۳۲۱، بحوالہ سیر الصحابہ ۱/ ۹۱)

تواضع: آپ نہایت متواضع تھے، کسی بھی کام سے عار اور شرم نہ کرتے تھے، بھیڑ بکریاں خود ہی چرالیا کرتے، محلہ والوں کی بکریوں کا دودھ دوہ دیتے۔ منصبِ خلافت پر فائز ہوجانے کے بعد محلہ کی ایک لڑکی نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا: اب ہماری بکریوں کا دودھ کون دوہے گا؟ آپؓ نے سن لیا تو فرمایا: ضرور؛ میں ہی دوہوں گا، خلافت کی یہ ذمہ داری میرے اندر تبدیلی پیدا نہیں کر سکتی، کبھی آپؓ اس لڑکی سے کہتے: بتاؤ! جھاگ والا دودھ دوہوں یا بنا جھاگ والا۔ (حیاۃ الصحابہ ۳/ ۱۶۸)

جب کوئی آپ کی تعریف کرتا تو آپؓ فرماتے: اے اللہ! آپ میرے حال سے زیادہ واقف ہیں۔ اے اللہ! جیسا یہ لوگ گمان کرتے ہیں مجھے اس سے بہتر بنادے، اور جن گناہوں کو یہ لوگ نہیں جانتے ان کو معاف فرمادے، اور یہ لوگ جو میری تعریف کرتے ہیں اس کا مجھ سے مؤاخذہ نہ فرما۔

(اسد الغابہ ۳/ ۱۳۱ بحوالہ سیر الصحابہ ۱/ ۸۸-۸۹)

خدمتِ خلق: اللہ کی مخلوق کو نفع پہچانا، ان کی خدمت کرنا آپ کا خاص مشغلہ تھا، محلہ والوں کا کام انجام دینا، ضعیف اور کمزوروں کے کام آنا آپ کے لیے خوشی کا باعث تھا۔ حضرت عمرؓ نے ایک نابینا بڑھیا کی خبر گیری اور خدمت کرنا

چاہا تو دیکھا کہ کوئی شخص ان سے بھی پہلے اس بڑھیا کی خدمت کر جاتا ہے، ایک دن تاک میں بیٹھ گئے، دیکھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس ضعیفہ کی خدمت کر رہے ہیں؛ حالاں کہ اس وقت آپ خلیفۃ المسلمین تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: اللہ کی قسم! آپ ہی ہر روز یہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔

(اسد الغابہ ۳/ ۳۱۴ بحوالہ ندائے شاہی)

<u>زہد اور دنیا سے بے رغبتی</u>: اسلام سے پہلے مکۂ مکرمہ میں آپ کا شمار بڑے بڑے تاجروں اور صاحبِ ثروت لوگوں میں ہوتا تھا؛ مگر اسلام لے آنے کے بعد ساری دولت دینِ اسلام کی خاطر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں پر نچھاور کر دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے، اسلام لانے کے بعد سب کے سب راہِ خدا میں صَرف کر دیے۔

(فتح الباری ۷/ ۱۴ مناقبِ ابوبکر)

تاریخ نے وہ وقت بھی دکھایا کہ کپڑے کے کرتے کی جگہ ٹاٹ کا کرتہ پہن رکھا ہے اور بٹن کی جگہ ببول کے کانٹے لگا رکھے ہیں، اسی حال میں اللہ تعالیٰ کا سلام آتا ہے، اور یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ ابوبکر سے پوچھو کہ کیا وہ اس حال میں بھی مجھ سے راضی ہیں؟ پوچھے جانے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں: یا رسول اللہ! میں اس حال میں اپنے رب سے راضی ہوں۔

اپنی گزران اوقات کے لیے مختصر سی تجارت کرتے تھے، بارِ خلافت

کندھوں پر آجانے کے بعد بھی کچھ دنوں یہ سلسلہ قائم رہا؛ مگر حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے دیگر صحابۂ کرامؓ سے مشورہ کیا اور بیت المال سے ڈھائی ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کردیا۔ (کنز العمال ۵/ ۲۴۲)

ایک روز اہلیہ محترمہ نے کچھ میٹھا کھانے کی فرمائش کی، آپ نے فرمایا کہ: بیت المال سے میں اس سے زیادہ نہیں لے سکتا، جو وظیفہ ملتا ہے اسی سے بچا کر بنا لو، چناں چہ چند روز کے بعد انہوں نے کوئی میٹھی چیز تیار کرکے سامنے رکھی، آپؓ نے پوچھا: پیسے کہاں سے آئے؟ عرض کیا کہ: روزانہ تھوڑے تھوڑے بچا کر جمع کیے، پوچھا کہ: روزانہ کتنی مقدار بچائی تھی؟ انہوں نے بتلا دیا۔ آپ نے بیت المال کے ذمہ دار کو حکم دے دیا کہ میرے وظیفہ سے اتنی مقدار کم کردی جائے؛ کیوں کہ میٹھا کھائے بغیر بھی زندگی بسر ہوسکتی ہے۔ (سیرت خلفائے راشدین: ۵۴)

علم وفضل: آپؓ صحابۂ کرام میں سب سے زیادہ ذی علم اور ذکی تھے، جب کسی مسئلہ کے متعلق صحابۂ کرامؓ میں اختلاف ہوتا تو وہ مسئلہ حضرت ابوبکرؓ کے سامنے پیش کیا جاتا، عرب کے بڑے نسّابوں میں آپؓ کا شمار ہوتا تھا، حتی کہ حضرت جبیر بن مطعم – جو عرب کے ایک نساب تھے۔ کہا کرتے تھے: میں نے علمِ نسب، سب سے بڑے نساب یعنی حضرت ابوبکرؓ سے سیکھا ہے۔

امام محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ: رسولِ خدا کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ سب سے بڑے معبِّر ہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اتفاق ہے کہ سب سے زیادہ فصیح ابوبکر رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ ہیں۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کی عقلِ کامل اور اصابتِ رائے کو تسلیم کیا ہے۔ (تاریخِ اسلام: ۲۵۵)

سخاوت: آپ رضی اللہ عنہ صحابۂ کرام میں سب سے زیادہ فیاض تھے، وسیجنبها الاتقی الذي يؤتي ماله يتزکی شانِ نزول آپ ہی ہیں۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جتنا مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال سے نفع پہنچا ہے کسی کے مال سے نہیں پہنچا، آپ رضی اللہ عنہ رو کر فرمانے لگے کہ میں اور میرا مال کیا چیز ہے؟ جو کچھ ہیں سب آپ ہی کے طفیل ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: میں سب کا احسان اتار چکا ہوں؛ البتہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا احسان باقی ہے، اس کا بدلہ قیامت کے دن خدائے تعالیٰ دے گا۔ (تاریخِ اسلام: ۲۵۴)

عشقِ رسول: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ محبتِ رسول میں غرق تھے، حضرت عروہ نے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے دوسرے سال حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ دیا اور فرمایا: ''إني سمعت نبيكم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام الأول'' یعنی میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گذشتہ سال سنا تھا، اس لفظ پر حادثۂ وفات یاد آ گیا، بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور بے تاب ہوگئے، یہ سلسلہ بڑھتا ہی گیا، پھر آپ نے تیسری دفعہ بڑی ہمت کر کے خطبہ کو اختتام پر پہنچایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امِ ایمن رضی اللہ عنہا کے پاس گاہے گاہے تشریف لے جایا کرتے تھے، ایک دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''چلو سنتِ نبوی

کی پیروی کریں اور امِ ایمن سے چل کر ملیں وہاں پہنچے تو وہ رونے لگیں، دونوں نے کہا: روتی کیوں ہو؟ اللہ کا تقرب اس کے رسول کے واسطے بہتر ہے، کہا: یہ میں بھی جانتی ہوں، صدمہ اس کا ہے کہ وحی آسمانی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، یہ سن کر دونوں صاحب رونے لگے۔ (سیرۃ الصدیق: ۱۲۴)

بابِ سوم

آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل قرآن وحدیث کی روشنی میں

آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل قرآن کریم کی روشنی میں:

واقعہ یہ ہے کہ تمام صحابۂ کرام میں سب سے زیادہ فضیلت، شرف اور سعادت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل ہے، قرآن نے جابجا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کے خصوصی تعلق کو آپ کے خاص خاص اعمال وافعال کو جن سے اسلام کو بڑا فائدہ پہنچا، پوری وضاحت وصراحت کے ساتھ بیان کیا ہے، قرآن نے آپ کی فیاضی وسخاوت اور بے جگری سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر اس طرح داد دی ہے: لا یستوي منکم من أنفق من قبل الفتح وقتل، اولٰئک أعظم درجة م الذین أنفقوا من بعد (الحدید: ۱۰) ترجمہ: تم میں سے جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ کیا، اور لڑائی لڑی وہ (بعد والوں کے لیے) برابر نہیں ہے، وہ درجے میں ان لوگوں سے بڑھے ہوئے ہیں، جنہوں نے (فتحِ مکہ کے) بعد خرچ کیا۔

محمد بن فضیل کلبی نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں

نازل ہوئی ہے؛ اس لیے کہ وہی سب سے پہلے اسلام لائے اور انہوں نے ہی پہلے اللہ کے راستے میں اپنی دولت خرچ کی۔ (اسباب النزول للواحدی: ۲۸۴ مطبوعۂ مصر)

حضرت ابوبکرؓ نے بلال حبشی کو آزاد کیا تو مشرکین نے کہنا شروع کیا کہ ابو بکر پر بلال کا کوئی احسان تھا، انہوں نے اس کا بدلہ چکایا ہے، قرآن اس کی بھی تردید کی اور اعلان کیا: وما لأحد عنده من نعمة تجزىٰ إلا ابتغاء وجه ربه الأعلىٰ ولسوف يرضىٰ، ان متفرق محامد کے علاوہ قرآن مجید میں حضرت ابوبکر کا سب سے اہم تذکرہ وہ ہے جو غارِ ثور میں رفاقت سے متعلق ہے، فرمایا گیا: ثاني اثنين إذهما في الغار۔

یہ آیت حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت کی ایک اہم اور مستند دستاویز ہے، حضرت ابوبکرؓ کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رفاقت فی الغار کے عند اللہ وعند الناس مقبول ہونے کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ گہری دوستی کے لیے ''یارِ غار'' بطور استعارہ ہی بولا جانے لگا۔

امام ابن جوزیؒ نے اس پر امت کا اجماع نقل کیا ہے کہ: وسيجنبها الأتقى والی آیت حضرت ابوبکرؓ کی شان میں نازل ہوئی، یہ تمام تر آیات آپؓ کی علوِ شان اور بلند مرتبے کی وضاحت کرتی ہیں۔ (سیرۃ الصدیق: ۱۲۶)

آپؓ کے فضائل احادیث نبویہ کی روشنی میں:

خالص حضرت ابوبکر کی فضیلت میں ایک سو اکیاسی حدیثیں مروی ہیں،

ستتر حدیثیں ایسی ہیں جن میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی فضیلت کا بیان ہے، سترہ حدیثیں ایسی ہیں جن میں مجموعی طور پر خلفائے ثلاثہ کے فضائل مذکور ہیں، چودہ حدیثیں ایسی ہیں جن میں خلفائے اربعہ کے فضائل کے ساتھ اور صحابۂ کرام بھی شریک ہیں۔ اس طرح تین سو سولہ حدیثیں حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت میں روایت کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں جن ہزاروں حدیثوں میں مہاجرین ومؤمنین کا ذکر اہلِ ایمان کے فضائل وغیرہ مذکور ہیں وہ بھی حضرت صدیقِ اکبرؓ کی ذات پر صادق آتی ہے۔ چند حدیثیں بطورِ نمونہ اور تبرک کے یہاں بیان کی جاتی ہیں:

حضرت ابنِ عمرؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے از راہِ تکبر پائیجامہ ٹخنوں کے نیچے رکھا تو روزِ قیامت اللہ اس کی طرف (نظرِ رحمت سے) نہیں دیکھے گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: میرے کپڑے کی ایک جانب لٹک جاتی ہے؛ البتہ میں اس کا خیال رکھتا ہوں، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم از راہِ تکبر ایسا نہیں کرتے۔ (بخاری، رقم الحدیث: ۳۶۶۵)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج تم میں سے کس نے روزہ رکھا ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: میں نے، حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج تم میں سے کس نے جنازہ میں شرکت کی ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: میں نے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج تم میں سے کس نے مسکین کو کھانا کھلایا؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: میں نے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا: آج تم میں سے کس نے مریض کی عیادت کی ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں یہ اوصاف پیدا ہو جائیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (مسلم بحوالہ سیرت صدیق: ۲۸-۲۹)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد ابوبکر اور عمر کی اقتدا کرنا۔ (ترمذی، باب المناقب)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جیسا کہ تم غار میں میرے ساتھ تھے ویسے ہی حوضِ کوثر پر بھی میرے ساتھ رہو گے۔ (ترمذی، ابواب المناقب)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لو كنت متخذا خليلا لاتخذت أبا بكر ولكن أخي وصاحبي".

ترجمہ: اگر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا، تاہم وہ میرے دینی بھائی اور دوست ہیں۔ (بخاری شریف، صدیقِ اکبر: ۴۶۴)

محدثِ شہیر حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ اس کہ وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر سے بھی ایسی باتیں صادر ہوئی ہیں جو (حضرت ابراہیم علیہ السلام) خلیل اللہ سے ظاہر ہوئیں، مثلاً بتوں کو ضرب لگانا اور اپنے باپ کی مخالفت کرنا وغیرہ۔ (مرقاۃ ۱۱/ ۲۹۱ بحوالہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ: ۴۶۶)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک خاص فضیلت یہ بھی ہے کہ ان کی چار نسلیں صحابی

تھیں، وہ خود، ان کے والد ابو قحافہ، ان کے بیٹے حضرت عبد الرحمٰن اور حضرت عبد الرحمٰن کے بیٹے حضرت ابو عتیق محمد رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (سیرۃ الصدیق: ۱۵۵)

اولیاتِ صدیق

① مردوں میں سب سے اول اسلام قبول کیا۔

② سب سے اول قرآن شریف کا نام مصحف رکھا۔

③ سب سے پہلے وہ شخص جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت میں کفار سے لڑے، اس لیے وہ اسلام میں سب سے پہلے مجاہد ہیں۔

④ سب سے پہلے خلیفۂ راشد ہیں۔

⑤ پہلے خلیفہ ہیں جن کو باپ کی حیات میں خلافت ملی۔

⑥ سب سے پہلے بیت المال قائم کیا۔

⑦ سب سے پہلے ان کا لقب خلیفہ ہوا۔

⑧ سب سے پہلے اسلام میں انہوں نے مسجد بنائی۔ (سیرۃ الصدیق: ۱۵۵)

سیرتِ صدیق تاریخ کا وہ باب ہے جسے اصحابِ سیر، مؤرخین، کتبِ تواریخ اور مقررین نے برسرِ منبر کروڑہا کروڑ مرتبہ اپنا موضوعِ گفتگو بنایا، لیکن آخر میں ”أفضل البشر بعد الأنبیاء بالتحقیق“ کا علان کر کے ان کی فضیلت کی سچی شہادت علی رؤوس الاشہاد ادا کی ہے، اللہ ہم سب کو بھی حیاتِ صدیق کا کچھ حصہ عطا فرمائے۔ آمین

پروانے کو چراغ، بلبل کو پھول بس		صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

شاعرِ رسول حضرت حسان بن ثابتؓ نے آپؓ کی شان میں کیا ہی خوب کہا ہے:

وثاني اثنين في الغار المنيف وقد		طاف العد به إذ صعد الجبلا
وكان حب رسول الله وقد علموا		من البرية لم يعدل به أحدا

مراجع ومصادر:

① ترجمۂ شیخ الہند ② آسان ترجمۂ قرآن ③ تاریخ الخلفا للسیوطی ④ ازالۃ الضیق بسیرۃ سیدنا ابی بکر الصدیق ⑤ طبقات ابن سعد ⑥ الخلیفۃ الاول أبوبکر الصدیقؓ ⑦ سیر الصحابہ ⑧ تاریخ ملت ⑨ صدیق اکبر ⑩ امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین سیدنا صدیق اکبر ⑪ سیرت صدیق اکبر ⑫ حیاۃ الصحابہ ⑬ سیرت خلفائے راشدین ⑭ تاریخ اسلام ⑮ سیرۃ الصدیق۔